تاریخ

مرتبہ

دار الاشاعت سیاسیہ (مجلس اتحاد المسلمین)
شاہراہ عثمانی حیدرآباد دکن

قیمت عہ

طبع اول دو ہزار

نوٹ

جس کتاب پر ناظم سید علی شبّر حاتمی - بی - ایس - سی (عثمانیہ)

یا

مہتمم محمد اقبال سلیم گاہندری کے قلمی دستخط نہ ہوں گے وہ مسروقہ سمجھی جائیگی

دستخط

مئی سنہ ۱۹۴۱ء
تیر سنہ ۱۳۵۰ف

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

یوں تو مجلس اتحاد المسلمین کو قائم ہوئے بارہ تیرہ سال ہوئے
لیکن اس کی حقیقی زندگی صرف تین سال کہی جا سکتی ہے اور اتنی
قلیل مدت کسی جماعت کے لئے قابل لحاظ نہیں ہوتی لیکن اس تھوڑی
مدت میں مجلس نے مسلمانان دکن کی تنظیم کا وہ عظیم الشان کام انجام
دیا ہے کہ اس کا معلوم کرنا کسی طرح بے محل نہ ہوگا۔ دارالاشاعت
قابل مبارکباد ہے کہ اس نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا
مجلس کے اغراض و مقاصد اس کے عزائم کے آئینہ دار ہیں۔ مجلس

ایک طرف مسلمانان دکن کو منظم اور صحیح معنی میں مسلمان دیکھنا چاہتی ہے تو دوسری طرف سلطنت اسلامیہ آصفیہ کو اپنی اس عظمت کے ساتھ محفوظ دیکھنے کی متمنی ہے جو آصفجاہ اول وثانی کے درخشاں عہد میں اس کو حاصل تھی، مجلس کے ان عزائم کی تکمیل منحصر ہے مسلمانان دکن کی مجلس کیساتھ کامل وابستگی اور ان کے جذبۂ ایثار وفدویت پر جو بحمداللہ ان میں پیدا ہوگیا ہے۔

میری دلی تمنا ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کو مجلس کے سمجھنے اور اس سے وابستہ ہونے میں زیادہ سے زیادہ مدد دے۔ فقط

احقر العباد

محمد بہادر خاں غفرلہ

فرد کی عمر میں دس بارہ سال طویل مدت کہے جا سکتے ہیں لیکن کسی اجتماعی جدوجہد کیلئے کسی انجمن کی عمر میں دس بارہ سال کی مدت ایسی نہیں جس کو کسی معنی میں بھی طویل کہا جائے۔ مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ نے اپنی اس چھوٹی سی عمر میں جو خدمتیں انجام دی ہیں وہ یقیناً تعجب خیز بھی ہیں اور حیرت انگیز بھی، پھر جب ہم اس کی پچھلی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت گوشہ گمنامی سے نکلکر اس کو میدان عمل میں آئے ہوئے صرف ساڑھے تین سال ہوئے ہیں اس طرح یہ جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے یہ محض تین سال کی کمائی ہے۔ اللھم وفقنا لما ھو خیر۔

مسلمانان دکن کی مجلس اتحاد المسلمین سے وابستگی - دس کروڑ مسلمانانِ ہند کی دولت اسلامیہ آصفیہ سے محبت !! مجلس اتحاد المسلمین کے کارنامو

کا ان سب کے سامنے پسندیدہ قرار پانا، ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار آفتاب کے نور، اور شب کی سیاہی سے انکار کے برابر ہوگا المرء اذا احب شیئاً فاکثر ذکرہ۔ جب کوئی کسی شئے سے محبت کرتا ہے تو اسے بہت زیادہ یاد کرتا ہے - آج کون مسلمان ہے ممالک محروسہ سرکار عالی کے اندر اور شاید اس کے باہر بھی جو سلطنت دولت آصفیہ اور ان کی مجلس اتحاد المسلمین کو بار بار یاد نہ کرتا ہو، طبعاً ایسی صورت میں مجلس اتحاد المسلمین کو سمجھنے اور اس کے حالات سے واقف ہونے کی تمنا ہر قلب میں موجود ہے۔

تاریخ اتحاد المسلمین

جب اس تمنائے مسلسل اور پیہم تقاضوں کی شکل اختیار کر لی تو ہم نے ارادہ کر لیا کہ مجلس اتحاد المسلمین کی تاریخ مرتب کر کے شائع کر دیں۔ اور ہم شکر گزار ہیں خدائے ذوالعظمتہ والجلال کے کہ اس نے ہمیں ہمت وتوفیق عطا فرمائی - اور آج ہم مجلس اتحاد المسلمین کی تاریخ آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں -

ترتیب

کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے ایک تفصیلی مضمون مجلس کی تاریخ اور اس کے مختلف ادوار سے متعلق دیا گیا ہے۔ اس کے بعد بعض اہم خطبات

صدارت کو بعینہٖ درج کر دیا گیا ہے۔ ان میں تاریخ کے اعتبار سے ترتیب قایم رکھی گئی ہے تاکہ آپ کو ان حالات کے سمجھنے میں مدد ملے جن سے گذر کر مجلس اتحاد المسلمین اپنی موجودہ صورت میں پہنچ سکی ہے۔ اس کے بعد مجلس کی طرف سے جو یادداشتیں مختلف وقتوں میں شائع ہوتی رہی ہیں ان میں سے بعض درج ہیں۔ اور ان کے بعد بعض تجاویز جو مجلس نے اپنے مختلف جلسہ ہائے عام میں منظور کیں اور ان کے لئے جد و جہد کی ہے وہ ہیں

مشکلات

آجکل سامانِ طباعت کی اس گرانی میں جب کہ ہر چیز کے دام دو گونہ اور سہ گونہ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔ دارالاشاعت جیسے خالص تجارتی ادارہ کے لئے کام کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے لیکن ایک یقین ہے جو ان تمام مشکلات پر غالب آ جاتا ہے، اور ہمت ٹوٹنے نہیں پاتی۔ وہ یہ کہ ہماری ساری کاوشیں صرف شخصی نفع کے لئے نہیں بلکہ قوم کے اجتماعی فائدے اور ملی منافع کے لئے ہیں۔ اور ہمیں اس کا بھی یقین ہے کہ ہماری قوم اس کاوش و محنت کو ناقدری سے ٹھکرا نہیں دیتی بلکہ قدر کی نظر سے دیکھتی اور قبولیت کا تاج اس کے سر پر رکھتی ہے۔ ہم سمجھیں گے کہ ہماری محنت ٹھکانے لگی۔ اگر مسلمانوں نے اسے پڑھا اور اس کے ذریعہ اپنی مجلس کے حالات سے واقفیت پیدا کر کے فدویت کا وہ جذبہ پیدا کر لیا جس کی

مجلس ان سے طلبگار رہے۔

فرد قایم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

شکریہ

مجلس اتحاد المسلمین اضلاع سرکار عالی کے ان تمام معتمدین اور ارکان کا ہم دلی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے ہماری پہلی کتاب "پاکستان اور ہندوستان" کو عامتہ المسلمین تک پہنچانے میں ہماری مدد فرمائی ہے۔ اگرچہ ہمیں یقین ہے کہ ان کی یہ مخلصانہ کوشش ہمارے شکریہ سے بلند اور مستغنی ہیں۔ لیکن ہم اپنا یہ خوشگوار فریضہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہمیں اس کا بھی یقین ہے کہ دار الاشاعت کی آئندہ ترقی اور درخشاں مستقبل ان ہی مخلص حضرات کی بے لوث خدمت سے وابستہ ہیں

اس طرح ہم جناب راشد حجازی صاحب کی انتھک اور پرجوش ساعی کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے شدت کی گرمیوں میں سفر کیا اور دار الاشاعت کی مطبوعات کو بڑے بڑے شہروں سے لیکر چھوٹے چھوٹے مقام تک پہنچایا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جناب راشد حجازی صاحب کی توجہ آیندہ بھی دار الاشاعت کی مطبوعات پر مبذول رہیگی۔

سید علی شبر حاتمی — بی ایس سی (عثمانیہ) ناظم

محمد اقبال سلیم گاہندری — مہتمم دار الاشاعت سیاسیہ

فہرست

۱۰

خطبۂ صدارت

خطبۂ صدارت

اغراض و مقاصد

مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ

الف ۔ مسلمانان مملکت آصفیہ کو قرآن مجید کو سمجھکر پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی طرف متوجہ کرنا تاکہ وہ اس حبل اللہ کو مضبوط تھامیں اور کوشش کرنا کہ ملک میں قرآن کی تعلیم کماحقہ ہو

ب ۔ جملہ مسلمان اپنے اپنے مسلک پر قائم رہکر، مذہبی معاشی، معاشرتی و دیگر ما بہ الاشتراک اور سیاسی امور میں متحد ہوں اور افراط و تفریط سے احتراز کریں ۔

ج ۔ مسلمانان مملکت آصفیہ کی یہ حیثیت ہمیشہ برقرار رہے کہ فرمانروائے ملک کی ذات اور تخت ان ہی کی جماعت کے سیاسی اور تمدنی اقتدار کا مظہر ہے۔ اسی بناء پر مملکت کی ہر دستوری ترمیم میں فرمانروا کے اقتدار شاہانہ کی بقاء و احترام مقدم رہے۔

د ۔ مسلمانان مملکت آصفیہ کے ان تمام مفادات و امتیازات و حقوق کو برقرار رکھنا جو دکن میں ان کو نہ صرف سیاسی اقتدار کی بقاء بلکہ معاشی و ثقافتی حیثیت کے تحفظ کے لئے توارثاً و تعاملاً حاصل رہے ہیں

ھ ۔ کوشش کرنا کہ مسلمانان مملکت آصفیہ احکام اسلامی کی پابندی کرتے ہوئے غیر مسلم اقوام کے ساتھ روادارانہ تعلقات کو برقرار رکھیں اور مملکت آصفیہ کی وحدت و خود مختاری کا تحفظ کریں۔

اتحاد کیلئے جدوجہد

اسلام کا ابر کرم

آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے اور عیسیٰ مسیح علیہ الصلوات والتسلیمات سے ۵۷۱ سال بعد بطحا کی مقدس وادیوں سے رحمت خداوندی کا ایک ابر نیساں اُٹھا، اور دیکھتے دیکھتے سارے جہاں پر چھا گیا - زمین کے چپہ چپہ پر برسا، اور اس کرہ خاکی کا کونسا گوشہ تھا جہاں اس ابر سے رحمت نہیں برسی، یہ ایران پر برسا، توران پر برسا، افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں پر برسا، اور ہسپانیہ کے مرغزاروں پر برسا، جہاں برسا رحمت وراحت کے بیل بوٹے پھوٹ پڑے اور زمین انسانی دل ودماغ کی زمین اس کے فیض سے لہلہانے لگی۔

ہندوستان تک اسلام کا فیض کرم بہت دیر میں پہنچا۔ اور پہنچا بھی تو اموی خلفاء کی ملوکیت سے گدلا ہوکر، خود غرضیوں کے خس وخاشاک کی فراوانی اور شخصی اور خاندانی منافع کی آلائشات نے اس کی لطافت کو اس طرح کثیف کر دیا تھا جیسے آب زلال کو گرد وغبار گدلا کر دے نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں صحیح اسلامی تربیت کا فقدان رہا، اور شاید ایک دن

کیلئے بھی اس سرزمین میں اسلام اپنے اجتماع کی اُن تابناکیوں کے
ساتھ نہیں چمکا، جو اس کا طرۂ امتیاز ہیں۔ اس میں خود سرزمین ہند
کا قصور بھی کم نہیں، اس سرزمین کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ جو اس کا
ہو کے رہا وہ بنی نوع انسان کیلئے مشکل ہی سے کوئی کارِ نمایاں انجام دے
سکتا ہے، اجتماعی و انفرادی نفسیات کی کسی طرح رد ہو، ہندوستان اپنی
خصوصیت "خود غرضی" اور "اوہام" کی آمیزش اس میں ضرور کر دیتا ہے
اس طرح تحریک مردہ ہو کر ہندوستانی فلسفہ کا جزو بنکر رہ جاتی ہے۔ یہی
ہوا وسط ایشیا سے اٹھ کر وادی گنگا و جمنا کی طرف بڑھنے والی سورما
قوم کے ساتھ اور شاید یہی ہوتا جنوبی ایشیا سے آنے والی مقدس
اور جوشِ عمل سے بھری ہوئی قوم کے ساتھ، مگر اسلام ازلی و ابدی
کتاب کا ایک ایسا مجموعہ اپنے پاس رکھتا تھا جو ملوکیت، ظل اللہیت
اور خود غرضیوں کے باوجود اسے ہندوستانی فلسفہ کی ایک شاخ بننے
سے روکتا رہا۔ اور ہر عہد و زمانہ میں کوئی نہ کوئی جماعت پیدا ہوتی
رہی، جو اربابِ اقتدار کو صحیح راستہ پر چلانے کے لئے کوشاں تھی، اور یہ
نہیں کہا جا سکتا کہ یہ جماعت ہمیشہ ناکام ہی رہی۔ اس سے انکار نہیں کہ
کبھی عوام سے زیادہ خود ان ہی پر اربابِ دنیا کا جادو چل گیا۔ لیکن
اکثر ایسا نہ ہو سکا۔

حضرت محمدؐ بن قاسم رحمتہ اللہ علیہ سے لیکر احمد شاہ ابدالیؒ تک
باہر سے مسلمانوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہا، اور جب تک جاری رہا

ہندوستانیوں میں کچھ نہ کچھ کرنے کی تمنا مچلتی رہی، آہنگ عمل کا وہ فقدان جو اس زمانہ کے بعد سے دکھائی دیتا ہے، اس سے پہلے موجود نہ تھا، ان تمام آلائشات کے باوجود جو مغل دورِ حکومت کی خصوصیات ہیں عام مسلمانوں پر اتنی بے حسی طاری نہ تھی جتنی کہ اس کے بعد چھاگئی۔

ابدالی مرحوم کے بعد اگر کوئی حرکت دکھائی دیتی ہے تو مولانا سید احمد بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا ذوق جہاد ہے اور بس، ان چند نفوس قدسیہ کو الگ کر کے دیکھئے تو باقی مسلمان ایک خود فراموشی میں گرفتار نظر آتے ہیں۔

ایک ایسی قوم کی بے حسی جو ایک سرمدی پیام اور لاہوتی نظام زندگی کی حامل اور اس کی مبلغ ہو یقیناً حیرت انگیز ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ پچھلے سو سال میں ہندوستانی مسلمانوں پر ایک قسم کی خود فراموشی طاری رہی۔ اس کے وجوہ و اسباب چاہے کچھ بھی رہے ہوں، لیکن ان سب علتوں کی علت اور ان سب اسباب کا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں نے اپنی دنیا اور دین مغل شہنشاہی سے وابستہ کر رکھا تھا جب یہ گئی تو گویا ان کا سب کچھ جاتا رہا۔ کچھ تحیر اور کچھ عیش کوشی کی عادت نے ان کو خود فراموش بنا دیا۔

مغفرت مآب آصف جاہ اول نے مغل سلطنت کی تباہی کے آثار دیکھ کر سطح مرتفع دکن میں اپنی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا تھا اس طرح اس خطہ کو انگریزوں کی براہ راست دست برد سے کسی نہ کسی حد تک

بچا لیا گیا۔ اور یہاں کے مسلمانوں پر یاس کا اتنا شدید حملہ نہ ہو سکا جتنا کہ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں پر ہوا تھا۔

جہاں اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مسلمانانِ دکن پر یاس کا اتنا شدید حملہ نہ ہو سکا جتنا کہ شمالی ہندوستان کے مسلمانوں پر ہوا تھا۔ وہاں ایک بہت بڑا نقصان بھی ہوا، وہ یہ کہ یہاں کے مسلمانوں کو رفاہیت چین، سکون، اور بے فکری کی زندگی نے خود غرض اور تن آسان بنا دیا اور نتیجۃً یہ شمالی ہند کے مقابلہ میں بہت دیر میں چونکے۔

ہندوستان کی حالت

ہندوستان پر جب بدیسی حکومت کا تسلط ہوا تو اس نے طبقہ ہنود کے خلاف جذبات کی پرورش شروع کی۔ اور ایسا کرنا یقیناً دانشمندی پر مبنی تھا۔ جس سے حکومت لی گئی تھی۔ اس سے کسی ہمدردی اور تائید کی امید کرنا ناممکن تھا۔ لازماً اس سے تائید و ہمدردی حاصل کی گئی جو گزشتہ حکومت میں اگرچہ خوش تھا مگر حکمرانوں کو اپنا نہ سمجھتا تھا۔ اس طرح ہندوؤں کی تربیت کر کے مسلمانوں کے خلاف کھڑا کر دیا گیا، اور مسلمانوں کو پست کر کے ان کی مخالفت سے مامون رہنے کی صورت پیدا کی گئی۔ اس صورت حال کے خلاف مسلمانوں کے قلب و دماغ میں ایک ہیجان پیدا ہوا لیکن بہت دیر سے۔

کسی گرتی ہوئی قوم کے دوبارہ ابھرنے کے اسباب ایجابی بھی

ہوتے ہیں۔ اور سلبی بھی، ایجابی اسباب میں اپنی موجودہ حالت کا صحیح احساس، درخشان ماضی کی یاد، بزرگانِ سلف کے کارناموں کو بار بار دہرانا، اور سب سے زیادہ افراد قوم میں سربلندی کے حصول کی تمنا کو بیدار کرنا۔ اور سلبی میں کسی قوم کی مخالفت، مسابقت کا خیال اور کسی دوسری قوم کی ریس شامل ہیں۔

مسلمانان ہند نے اپنے ماضی کے کارنامون کو یقیناً بار بار یاد کیا لیکن اس طرح، کہ محفلی دلچسپیوں کا ایک جزو اور افسانہ بن کر رہ گئے۔ اب ان کے لئے گذشتہ کارنامون میں بصیرت کا کوئی سامان باقی نہ رہا تھا، صحابہ کرام اور تابعین عظام کے کارنامے ہندی مسلمان کے لئے اساطیر الاولین کے درجہ پر جا پہنچے۔ نہ ان سے ان کے قلوب کو ٹھیس لگتی تھی۔ اور نہ فدویت کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ اس طرح مسلمانان ہند نے اپنے آپ کو ان ایجابی اسباب ترقی سے جو غالباً دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ انھیں میسر ہیں محروم کر لیا لیکن ؎

ساغر ما کہ حریفاں دگری نوشند
ما تحمل نہ کنیم ار تو روا می داری

حکومت مسلطہ نے جنھیں مقابلہ کے لئے تیار کر دیا تھا۔ اُن کے پیاپے حملون، اور مسلسل ٹھوکرون نے انھیں جگایا۔ یا یوں سمجھو کہ جھنجھوڑا۔ اب جو یہ انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھے تو معلوم ہوا کہ دوسرے میدان عمل میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔ اپنی حالت کا جائزہ لیا،

پتہ چلا کہ جس ملک میں ابھی ستر اسّی سال پہلے تک وہ حاکمانہ اقتدار رکھتے تھے، وہاں ان کی حالت ان پڑھ، اپاہج، گداگروں سے زیادہ کچھ نہیں رہی ہے، اس طرح ہندوستانی مسلمان چونک پڑا، اب جو دیکھتا ہے تو،

حریفان بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی میخانہ ہا کردند رفتند

مسابقت شروع ہوئی اور مسابقت کا نتیجہ کشمکش کی صورت میں رونما ہوا۔ ہندوؤں کی تربیت کچھ اس طرح کی جاری تھی کہ کسی دوسری قوم کے میدان مسابقت میں آجانے سے ان میں سخت قسم کا غصہ پیدا ہوگیا۔ اور سارے برطانوی ہند میں فرقہ وارفسادات پھوٹ پڑے۔ اس طرح خود ہندوؤں نے اپنے مقصد کو نقصان پہنچایا، جانی اور مالی نقصانات کے اعتبار سے یقیناً مسلمان گھاٹے میں رہے لیکن مسلمانوں کا احساس اور زیادہ تیز ہوتا گیا، اس کے بعد باہمی سمجھوتہ اور مفاہمت کی بارہا کوششیں ہوئیں، لیکن ہندو مسلمانوں کو برابر درجہ کا شریک کرنے کیلئے تیار نہ ہوسکے، نتیجہ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مفاہمت یا اتحاد ستارۂ سحری سے زیادہ طویل عمر نہیں پا سکتا تھا، اور نہ پاسکا،

مغربی طرز حکومت نے جو اب ہندوستان میں رائج ہوچلی تھی اکثریت کا سودا پیدا کیا، اور یہ سمجھا جانے لگا کہ کسی ملک کیلئے صرف

جمہوری حکومت ہی کامیاب حکومت ہو سکتی ہے۔ اور وہ بھی انگلستان جیسی منتخبہ پارلیمانی حکومت حالانکہ سیاسیات کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ کسی دو ملک میں بالکل ایک قسم کی حکومت کامیاب نہیں ہو سکتی جیسے جیسے دستوری اصلاحات کی قسطیں ہندوستان کو ملتی جاتی تھیں ہندوستان جمہوری طرز حکومت کے تلخ تجربات سے دوچار ہو رہا تھا، فرقہ وار فسادات میں شدت ہوتی جا رہی تھی، لیکن آبادی میں اکثریت رکھنے والی قوم کا طبقہ اعلیٰ اس طرح ملکی اقتدار پر اپنا قبضہ جمانے میں کامیاب ہونے کی امید سے بہت خوش تھا اور اب تک اس کا اس قدر شایق ہے کہ کسی دوسری طرح حکومت کا تصور اس کے دماغ میں جگہ نہیں پا سکتا، آج یہ حال ہے کہ ہندوستان کا جدید تعلیم یافتہ ہندو نوجوان منتخبہ مجالس کی پارلیمانی حکومت کے مقابلہ میں اوتار شری رام چندر جی مہاراج کی حکومت کو بھی شاید جابرانہ اور غیر منصف حکومت کہنے سے دریغ نہیں کر سکتا۔ حالانکہ مذہبی عقیدہ کے اعتبار سے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ شری رام چندر جی اپنی حکومت کے معاملات میں رعایا کی کسی اسمبلی سے مشورہ کرنے کے محتاج تھے۔ اور غالباً یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہوگا کہ رعایا میں انتخاب کر کے کچھ لوگ قدیم ہندوستان میں مقننہ کے ارکان ہوا کرتے تھے، یہ سب کچھ تسلیم کرنے کے باوجود چونکہ ہندو آج انگریزوں کے دماغ سے سوچتا ہے

اس لئے اس کے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔

غرض یہ کہ جیسے جیسے ہندوؤں کے دماغ انگریزی اثرات قبول کرتے جاتے جاتے تھے۔ ان پر اکثریت کا نشہ چڑھتا جاتا تھا۔ اور جیسے جیسے یہ نشہ مستولی ہوتا جاتا تھا ہندوستان کا امن اور باہمی مودت و محبت رخصت ہوتی جاتی تھی۔

دولت آصفیہ کی حالت

دولت آصفیہ حیدرآباد کی حالت اس سے مختلف تھی، اور یقیناً مختلف ہونا چاہیئے تھی۔ یہاں حکومت غیر ملکی نہ تھی جو ایک قوم کو دوسری قوم کے خلاف ابھار کر اپنا معین و مددگار پیدا کرتی مغفرت مآب آصفجاہ اول نے اس ٹکڑے کو دہلی کی مرکزی حکومت سے آزاد کرکے اس کی قسمت کو بڑی حد تک بقیہ اقطاع ہندوستان سے جدا کر دیا تھا۔ رعایا میں باہمی الفت و محبت اتنی موجود تھی کہ اکبر و جہانگیر کی یاد تازہ ہو جاتی۔ خاندان آصف جاہی جس کی "رواداری" اور بے تعصبی ضرب المثل ہے، حکمرانی کے فرائض انجام دے رہا تھا کسی ہندو کو مسلمانوں اور کسی مسلمان کو ہندوؤں سے کم از کم ہندو یا مسلمان ہونے کی بناء پر کوئی شکایت موجود نہ تھی۔ سوائے اس معاشی تعاون کے جو ہندوؤں نے مذہب کے پردہ میں تمام غیر آریائی نسلوں سے کر رکھا ہے اور کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جو ہندوؤں کو مسلمانوں سے یا

مسلمانوں کو ہندؤں سے مسجد و مندر کے علاوہ آبادی کے کسی دوسر
مقام پر جدا کر سکتی۔ مسلمان ہندؤں کی طرف سے اس معاشی عدم تعاون
کے اتنے عادی ہو چکے تھے کہ اب اس سے بھی ان کے پندار کو ٹھیس
نہیں لگتی تھی۔

یہ کہنا یقیناً صحیح ہوگا کہ اس سو سال کا اکثر حصہ وہ رہا ہے جس
میں دولت آصفیہ کا صدرالمہام کوئی نہ کوئی غیر مسلم تھا اور یہی نہیں بلکہ
کئی بار وزراء کی اکثریت ہندو رہی ہے لیکن نہ کبھی مسلمانوں کو اپنے
حقوق غصب کئے جانے کی شکایت پیدا ہوئی۔ اور نہ کبھی ان وزراء
نے مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کرنے کی جرارت کی۔ اسی طرح پچھلے سو سال
میں ہندؤں کو کوئی مذہبی و معاشی شکایت پیدا نہ ہوسکی، حتی کہ یہ بھی
کبھی نہ ہوا کہ انھوں نے مسلمانوں کو اپنے سے جدا سمجھا ہو۔ یا یہ خیال
کیا ہو کہ اقتدار ملکی جس قوم کے ہاتھ میں ہے وہ اغیار پر مشتمل ہے
یہ سب اس لئے بھی ناممکن تھا کہ چھ سو سال سے حکمران ہونیکے کے
باوجود دکن میں مسلمانوں کے ساتھ کسی فرماں روا نے کوئی غیر معمولی
رعایت ایسی نہیں کی جو ہندوں کے ساتھ نہ کی گئی ہو۔ اس کی سب
سے بڑی شہادت آج مسلمانان دکن کے معاشی حالات ہے۔ دولت
آصفیہ میں معاش کے تقریباً تمام ذرائع ہندؤں کے قبضہ میں ہیں
زمینیں ان کے پاس ہیں۔ تجارت ان کی ہے، خود حکومت کے
دیہی عمال تقریباً تمامتر ہندو ہیں، باوجود ناجائز ہونے کے

مسلمان حکام خود مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندو ساہوکاروں کو ایسے سود کی ڈگریاں دیتے رہتے ہیں۔ ان کو ہر طرح کی امداد حکومت سے ملتی ہے، حتی کہ بت خانوں کے لئے جو معاشین اور جائیدادیں دی گئی ہیں وہ مسلمانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں، ملک کی ۸۵ فیصد آبادی پر جو دیہاتیوں میں آباد ہے تمام تر عاملانہ اقتدار ہندوؤں کو حاصل ہے، ان تمام مراعات کے مقابلہ میں مسلمانوں نے کبھی کوئی آواز نہ اٹھائی اس لئے کہ ہندوؤں کو دکن کے مسلمانوں نے کبھی الگ نہیں سمجھا۔

ان حالات میں ہندوؤں کو مسلمانوں سے کیا شکایت پیدا ہو سکتی تھی، اسی طرح مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کے خلاف کبھی کوئی شکایت نہ کی، دکن میں مسلمان اور ہندو حقیقی معنوں میں شیر و شکر کی طرح میل و ملاپ کیساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔

شمالی ہند کے مضر اثرات

سنہ ۱۹۲۴ء کے بعد شمالی ہند میں مختلف تحریکیں پیدا ہوئیں اور چند پرانی تحریکوں کا رخ مسلمانوں کے خلاف کر دیا گیا جن میں سب سے زیادہ شدت شدھی سنگھٹن اور آریا سماجی تحریک میں تھی جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ان تحریکوں کی تہ میں اکثریت کا وہ نشہ کام کر رہا تھا جو مغربی بوتلوں کا مرہون منت ہے،

ہندوستان کے امن و امان پر ان تحریکوں کا کیا اثر پڑا، یہ ایک دردناک داستان ہے جس کا دہرانا اس جگہ ضروری نہیں لیکن مختصر طور پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سرزمین دکن کے اتحاد و اتفاق پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔

شمالی ہند کے اثرات سے دکن کو محفوظ رکھنا تقریباً ناممکن ہے، اور اُس صورت میں یہ کام اور بھی محال ہو جاتا ہے جبکہ شمالی ہند کی تحریکوں کے علمبردار بار بار حیدرآباد کو اپنی امیدوں اور عزایم کی آماجگاہ بنانے کی سعی فرمایں۔

آریہ سماجیوں کے دستے حیدرآباد آنے لگے، اور یہاں انکی فرقہ وار سوسائیٹاں مذہبی تبلیغ کے پردے میں قایم ہونے لگیں مذہبی تبلیغ کوئی بُری چیز نہیں، یقیناً اس کی اجازت و سہولت ہر جگہ ہونی چاہئیے بشرطیکہ اس "خدائی پیغام" کی بنیاد دل آزاری اور دوسروں کی مخالفت پر نہ ہو۔ لیکن آریہ سماج کی بنیاد ہی دوسرے مذاہب کی مخالفت اور دوسروں کی دل آزاری پر رکھی گئی ہے اس لئے اس مذہب کی تبلیغ کرنے والوں نے "تعمیر خویش" کی بجائے "تخریب غیر" پر عمل کیا، آریہ سماج کے بانی شری سوامی دیانند جی کی مشہور و معروف کتاب "ستیارتھ پرکاش" اس کی بین شہادت ہے کہ اس میں آریہ سماج یا ویدک دھرم کے فضائل سے زیادہ دوسرے مذاہب پر لعن طعن کیا گیا ہے، اور روحانیت کی پرچار

سے زیادہ سب وشتم کا منتقمانہ انداز اس میں پایا جاتا ہے، اسی لئے اس کتاب کے جوابات سناتنیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کی طرف سے دیئے گئے۔

غرض کہ حیدرآباد میں شمالی ہندوستان سے آنے والے آریوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ اس انداز سے شروع کی جس میں ویدک دھرم کی خوبیوں سے زیادہ دوسرے مذاہب خصوصاً اسلام کے خلاف زہر اگلا جاتا تھا۔ اس جگہ ہم چند نعروں اور ان کے بھجن سے چند جملوں کو نقل کرتے ہیں۔

(۱) محمدؐ کے متبعین کو ہم ایک ٹھوکر سے نکال باہر کرینگے۔

(۲) آریوں کا گھنٹہ صبح کو بجتا ہے تو ہمارے دشمن مسلمان خوف سے کانپ اٹھتے ہیں۔ جب بہادر آریہ گاؤں میں گھومتے ہیں تو مسلمان سور سڑکوں کے کنارے چھپ جاتے ہیں۔

(۳) "بُلا لو مدینے مجھے" یہ کس قسم کا گانا ہے، ارے مسلمان مدینے میں کیا دھرا ہے، بھارت میں تو پیدا ہوا، بھارت میں تو نے پرورش پائی، تجھے ترکی اور ایران سے کیا واسطہ۔

(انگریزی رسالہ آریا سماج صفحہ ۲ طبع حیدآباد دکن)

(۴) کرشن (جی) کے فلسفہ نے ہندوں پر زہر کا کام کیا کرشن ایک ذلیل چور تھا۔

(پنڈت سوہن لال جی کا بیان حیدآباد آریہ کمار سبھا میں) حوالہ مذکورالصدر صفحہ ۲

(۵) یورپ والوں نے اعلان کر دیا ہے کہ بائبل جھوٹ
سے پُر ہے۔

(پنڈت منگلدیو کا بیان حوالہ مذکور ص)

(۶) پیغمبر اسلام کے والد ایک ہندو قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے

(سوامی جیدانند جی کا بیان حوالہ مذکور ص)

(۷) مسلمانوں کا کلمہ جھوٹ ہے۔

(پنڈت رام چند رجی دہلوی کا بیان حوالہ مذکور ص)

(۸) قرآن و پران دونوں جھوٹ کا پوٹ ہیں۔

(حوالہ مذکور ص۶)

مشتے نمونہ از خروارے۔ یہ اور اس طرح کے نعرے اور
تقریریں ہزاروں ہی ہوئیں۔ اور تقریر کرنے یا نعرہ لگانے والا
کوئی حیدرآبادی ہندو نہ تھا۔ بلکہ شمالی ہند سے ہندو زعما
حیدرآباد آکر یہ زہر پھیلاتے رہے۔

حیدرآباد کا ہندو جو صدیوں سے چین، سکون، راحت
عزت اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہا تھا تاریخ میں پہلی مرتبہ
اس چیز سے واقف ہوا کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے الگ
بلکہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ باقی رہے مسلمانان دکن
تو ان کے لئے یہ سب کچھ اس درجہ حیرت افزا تھا کہ انھوں نے اس
کے خلاف مدت تک کوئی آواز ہی نہ اٹھائی اور حیرت و استعجاب

سے دیکھتے رہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ باہر سے آنے والے آریوں کی اچھی خاصی جماعت مملکت آصفیہ کے حدود میں آپہنچی اس پوری مدت میں مسلمان اپنے اندرونی اختلافات مٹا کر مسلمانوں کو متحد کرنے میں لگے رہے۔ ہم تسلسل کلام باقی رکھنے کے لئے مسلمانوں کی مساعی کو اس کے بعد بیان کرینگے۔

اصل مقصد

یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ آریوں کا یہ حملہ صرف مذہبی تقشف اور دینی تعصب پر مبنی تھا۔ آریوں کا تعلق جتنا مذہبی تبلیغ سے ہے اس سے کہیں زیادہ سیاسی اقتدار اور "ہندو راج" کے منصوبوں سے ہے۔ بلکہ آریہ سماجی تحریک کو حقیقتاً ہندوستان کی قومی تحریک سمجھنا چاہئے انڈین نیشنل کانگریس کے منصوبوں اور آریہ سماجیوں کے مقاصد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ خود پٹابھی سیتا رامیا مصنف تاریخ کانگریس نے اپنی کتاب صـ۲۲ پر آریہ سماجی تحریک کو ایک قومی تحریک قرار دیا ہے۔ اس لئے آریوں کا حیدرآباد پر یہ حملہ مذہبی تبلیغ کے لئے نہیں بلکہ خدا نہ کردہ نظام الملک آصفجاہ سابع کی حکومت کو ختم کر کے اقتدار کو ہندو اکثریت کے ہاتھ میں منتقل کردینے کیلئے تھا یہ ایک منظم کوشش تھی کہ دکن سے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے ہندوستان میں ہندوں کی اکثریت ہے۔ اس کے اندر ایک مسلمان

پادشاہ کا وجود برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے آصفجاہ کے تخت وتاج پر قبضہ کر لیا جائے۔ آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندو مہاسبھا اور انڈین نیشنل کانگریس کی متفقہ کوشش سے یہ نقشہ تیار کیا گیا تھا اس ارادہ کو آریہ مبلغوں نے بہت زیادہ چھپانے کی سعی بھی نہ کی بلکہ بارہا ان میں سے اکثر نے مختلف مقامات پر تقریر کرتے ہوئے ان تمام ارادون کا اظہار کر دیا، ان میں سے صرف ایک کا بیان ملاحظہ فرمائیے۔

ہندوستان سے مسلمانون کا نام ونشان مٹ جانا چاہئیے ہم عنقریب مسلمانوں کو قتل کر دینے والے ہیں۔ ہندوستان میں نظام کی ریاست کا وجود نہیں رہنا چاہئیے ہندوستان میں ہندوں کا راج ہونا چاہئیے (اس راج کے اندر) کوئی مسلمان بادشاہ نہیں رہ سکتا۔ ہمیں چندہ جمع کرنا چاہئیے۔ آپس میں متحد ہو جانا چاہئیے۔ اور مسلمانوں کے خلاف پروپگنڈا کرنا چاہئیے۔ ہمارا فرض ہے کہ چھ ماہ کے اندر نظام کے تخت پر قبضہ کریں۔

(بلدیو۔ ایک آریہ مبلغ کی تقریر مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۸ء)

(صـ۶ رسالہ آریہ سماج)

آریون نے اپنا ایک صدر مرکز اودگیر میں قایم کیا اس کا نام رکھا آریہ پرتی ندی سبھا نظام راجیہ" اور اس کی شاخیں اضلاع سرکار عالی

کے مختلف مقامات پر قایم کیں صرف شہر حیدر آباد میں ۱۰ شاخیں مصروف عمل ہیں۔ یہ لوگ جلسہ کرتے ہیں شدھی سنگھٹن کا کام انجام دیتے ہیں مسلح جلوس نکالتے ہیں۔ ان میں باہر سے مبلغین بلائے جاتے ہیں باہر کے مبلغین نوکر رکھے جاتے ہیں، اور وہ مذکورہ بالا قسم کی تقریر کیا کرتے ہیں۔ ان کا تعلق دہلی کی آریہ سرواد یشک سبھا اور انٹرنیشنل آرین لیگ دہلی سے ہے، یہ وقتاً فوقتاً کتابیں بھی شائع کیا کرتے ہیں۔ پچھلے چند سال کے اندر حکومت سرکار عالی نے چالیس کتابیں قابل ضبطی قرار دی ہیں ان میں سے چھ کے نام ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) اسلامی گپ۔
(۲) قرآن قابل اعتبار نہیں۔
(۳) شیطان اور اللہ میاں کی جھڑپ
(۴) مسلمان مذہب کی پڑتال
(۵) کہاں قرآن اور کہاں ایشور گیان۔
(۶) قرآن میں وید کی تجلی۔

اس طرح تحریر، تقریر، جلوس نعرے اور نظموں کے ذریعہ حیدرآباد میں فرقہ وارمنافرت کا بیج بویا گیا۔ اور اس کی دہلی، ناگپور، پونا، اور احمد آباد کی ہندو جماعتوں نے طرح طرح سے پرورش کی۔ اس کے بعد یہ پودا تناور ہو کر پھلا اور وہ زہریلے پھل اس سے آئے۔

جن کی زہرناکیوں کا حال آپ آیندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائینگے
اب اس بیان کو یہیں چھوڑکر ہم مسلمانان دکن کی عام اجتماعی حالت
بیان کرتے ہیں۔

مسلمانان دکن کی اجتماعی حالت

راحت وسکون کی فراوانی انسانی اجتماع میں زندگی کی سوتوں
کو خشک کر دیتی ہے، اور آہنگِ عمل کے لئے موت کا پیام ثابت
ہوتی ہے۔ دکن کا مسلمان ایک مدت دراز سے آصفجاہی علم کے
نیچے سکون واطمینان کی زندگی بسر کر رہا تھا اس لئے اس میں اضطراب
وتڑپ مفقود ہو چلی تھی۔

نہ دن کو دل دھڑکتا تھا نہ شب کو آنکھ روتی تھی

نہ کسی سے مقابلہ تھا، اور نہ کسی کا خطرہ، نہ کسی چیز کے حصول کی
تمنا اور کسی شے کے کھو جانے کا خوف، اس چین و اطمینان نے
اپنی حالت پر غور کرنے کا خیال ہی دل سے محو کر دیا تھا۔ ہر شخص
شخصی منافع کے حصول میں اس طرح سرگرداں تھا کہ ملی وقومی ضروریات
کا تصور بھی اس سے دور جا پڑا تھا۔ ایک مسلمان کی زندگی کا نصب العین
اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ

بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی، اور مرگئے

یوں تو ماشاء اللہ ہر فن کے بڑے بڑے علما موجود تھے وینداران

اور زاہدین شب زندہ دار کی بھی کمی نہ تھی سپہ گری کے پرانے فنون بڑی حد تک دکن میں زندہ تھے صنعتیں بھی تھوڑی بہت موجود تھیں اور تعلیمات کا نظام بھی اگرچہ حد درجہ ناقص سہی مگر موجود تھا۔ غرض یہ کہ افراد میں وہ سب کچھ موجود تھا جو کسی زندہ قوم کے افراد میں ہوتا ہے۔ مگر جس چیز کی کمی تھی اور حد درجہ کمی تھی وہ یہ کہ ان افراد میں مقصد مشترک کا تصور بالکل مفقود تھا۔ اس لئے وہ کبھی ملکر کام نہ کر سکتے تھے، جہاں چار آدمی اکٹھے ہوئے۔ تنخواہ، گریڈ، دفتری سازشین، اور الاؤنس کے حصول کی ترکیبیں موضوع سخن بن جاتی تھیں۔ کسی مجلس میں پوری قوم پر اثر انداز ہونے والے مسائل بار نہ پا سکتے تھے نہ ماضی کا خیال۔ نہ حال کا احساس اور نہ مستقبل کی فکر بقول اکبر مرحوم

فکر ذاتی میں خیال قوم غائب فی المزار

جب افراد قوم میں منافع ذات سے زیادہ شدت کیا تھ پوری قوم کے منافع مشترک کا تصور نہیں پایا جاتا تو قومی خودی مفقود ہو جاتی ہے۔ اور افراد قوم اگرچہ معاشی اعتبار سے ترقی کرتے نظر آتے ہیں لیکن قوم اجتماعی طور پر پستی و زوال کی منزلیں طے کرنے لگتی ہے یہ صورت حال کسی قوم کی تباہی سے پہلے شدت سے پیدا ہو جاتی ہے اس وقت افراد قوم میں ذہنیت کی پستی پوری طرح نمایاں ہوتی ہے اور مختلف چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار

نظر آتی ہیں۔ یہ ٹولیاں آپس میں ٹکرا کر فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہیں اسی طرح دوسری اقوام کے لئے خود ان ہی کی قوت ہتھیار کا کام دیتی ہے

مجلس اتحاد المسلمین کی ابتداء

تقریباً یہی صورت حال مسلمانان دکن کی ہو گئی تھی۔ اور مدتوں قایم رہی۔ فرقہ بندیاں اس وقت کے ساتھ اپنا کام کر رہی تھیں کہ بارہا خود مسلمانوں نے ایک دوسرے پر خون آشام حملے کئے۔ وہابی غیر وہابی، صوفی غیر صوفی سنی اور مہدوی فرقوں کے مابین فسادات ہوئے۔ لڑائیاں ہوئیں۔ تلواریں نکلیں اور مسلمانوں کی قوتیں خود اُن ہی کے خلاف کام کرتی رہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی قوتیں ضائع ہو رہی تھیں کہ غیرت حق کو حرکت ہوئی اور چند حساس اشخاص نے مسلمانوں کو مابہ الاشتراک اور یعنی کلمۂ مشترک پر جمع کرنے کی کوشش شروع کی۔ ان میں مولوی محمود نواز خان صاحب نائب قلعہ دار۔ مولانا بندہ حسن صاحب۔ مولانا حکیم مقصود علی صاحب اور حضرت مولانا صابر حسینی صاحب وغیرہ وغیرہ پیش پیش تھے۔

کسی تنظیم کے ابتدائی واقعات کا پتہ چلانا بڑا مشکل کام ہے ابتداء میں تنظیم اتنی اہم نہیں ہوتی کہ اس کے متعلق تمام جزئیات محفوظ رکھے جائیں اور نہ اس قدر منظم دفتر ہوتا ہے جو ان سب جزئیات کو محفوظ رکھ سکے۔ کسی تحریک کو سمجھنے کے لئے اس کی ضرورت بھی نہیں

کہ اس کے ابتدائی کاموں کی پوری تفصیلات سے واقفیت حاصل کی جائے۔ اس کا پس منظر اور اس کی غرض و غایت کا معلوم ہو جانا بالکل کافی ہے۔

ہم اس جگہ مجلس اتحاد المسلمین کی ابتدا کے متعلق مولوی ابوالحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ سابق معتمد مجلس کی رپورٹ سالانہ بابتہ ۴۹-۱۳۴۸ف سے وہ حصہ نقل کرتے ہیں جس میں مجلس کی ابتدا اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولوی صاحب موصوف فرماتے ہیں :—

"کتاب روئداد کے معائنہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۷ ہردے ۱۳۳۷ف کو مولوی محمود نواز خاں صاحب نائب قلعہ دار کے مکان واقع چوک اسپان میں ایک "جلسہ شوریٰ برائے اتحاد فرقہ ہائے مسلمین" منعقد ہوا اور اس میں صرف چند حضرات جو مسلمانوں کے مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے تھے اس امر پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے کہ مختلف فرقوں میں جو بین المسلمین موجود ہیں کس طرح اتحاد و اتفاق پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اور اس مجلس کے نام پر بھی غور رہا۔ روئداد سے یہ پتہ نہیں ملتا کہ مباحث کیا ہوئے لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس کے لئے جو متعدد نام تجویز ہوئے تھے ان میں ہی "اتحاد بین المسلمین" کا نام تجویز کیا گیا لیکن دوسرے جلسہ میں جو کامل ایک سال دو روز کے بعد ۹ ہردے ۱۳۳۸ف کو منعقد ہوا مجلس کے نام میں سے لفظ "بین"

کو حذف کرکے "مجلس اتحاد المسلمین" کا نام اختیار کیا گیا۔ اور اس جلسہ میں مجلس کے تین مقاصد صاف و صریح طور پر معین کر دیئے جو یہ تھے۔

۱۔ تمام فرقہ ہائے اسلامی کو بغرض تحفظ اسلام و اصول اسلام کے ماتحت متحد و متفق کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کی اقتصادی و معاشرتی و تعلیمی مقاصد کا تحفظ

۳۔ ملک و مالک کی وفاداری قانون مروجہ کا احترام۔

اس جلسہ میں آٹھ تحریکات منظور ہوئیں تحریک نمبر (۱) نام کی اصلاح سے متعلق۔ تحریک نمبر (۲) مجلس کے دستور العمل سے متعلق اور تحریک نمبر (۳ تا ۸) عہدہ داران و ارکان انتظامی سے متعلق ہیں روئداد بتلاتی ہے کہ یہ جلسے اپنی نوعیت کے لحاظ سے مشاورتی تھے۔ ااھ دے ۱۳۳۶ف کی روئداد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیام مجلس کی تاریخ ۲۹ بہمن ۱۳۳۵ف روز جمعہ مقرر ہوئی۔ چنانچہ تاریخ مذکور پر ڈھائی بجے بمقام توحید منزل نواب صدر یار جنگ بہادر کی صدارت میں ایک اجلاس ہوا اور اس اجلاس میں یہ طے پایا کہ:۔

۱۔ با وجود اختلافات کے اسلام کے مختلف فرقے مشترک مقاصد میں متفق ہو سکتے ہیں۔

۲۔ بکثرت آراء قرار پایا کہ اتحاد کے واسطے انجمن تشکیل دیجائے۔

۳۔ دستور العمل کی ترتیب کے لئے ایک کمیٹی متعدد ارکان

پر مشتمل بنائی گئی"۔

اس کے بعد مجلس کے کئی جلسے ہوئے اور یہ دستور العمل بن گیا اس طرح سب سے پہلی مرتبہ مسلمانان دکن میں اتحاد و اتفاق کی صورت پیدا ہوئی۔ اور جزئی اختلافات کی شدت کو کم کرنے بلکہ ختم کر دینے کی سعی شروع ہوئی۔ یہ کام اتنا آسان نہ تھا کہ آسانی کیساتھ ہو جاتا۔ مثل مشہور ہے کہ چھتیس جمعرات کا مرض ایک جمعرات کی جھاڑ پھونک سے ختم نہیں ہوتا۔ اس کام کی انجام دہی میں مجلس کو بڑی بڑی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن مجلس کی ہیئت ترکیبی کچھ ایسی تھی کہ فرقہ ہائے اسلامیہ میں سے ہر فرقہ کا صاحب اثر مذہبی پیشوا اس میں شریک تھا، اس لئے ان دشواریوں پر بس شخص کے ذاتی اثرات کے ذریعہ قابو پانے کی کوشش کی جاتی رہی

مجلس کا مقصد غیر مسلموں سے مقابلہ نہ پہلے تھا۔ اور نہ اب ہے۔ اس لئے مجلس نے ابتداء میں اس پر توجہ نہ کی کہ غیر مسلم حضرات کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کیا کارروائی ہو رہی ہے مجلس نے اپنے مقصد یعنی اتحاد و اتفاق کی تبلیغ کا کام شروع کیا اور کرتی رہی۔ اس کے لئے تقریروں۔ تحریروں کے ذریعہ کام ہوتا رہا لیکن ابھی مجلس کے قیام کو تین سال بھی نہ ہوئے تھے کہ ۱۹ ماہ دسمبر ۳۲ء کو وامن نایک صاحب کی صدارت میں مہا سبھا کی ہدایت کے ماتحت ہندوؤں کا ایک جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں ریاست حیدرآباد

پر یہ الزام لگایا گیا کہ مسلمان ہندوں کیساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے اور طرح طرح کی غلط فہمی پبلک میں پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ اس وقت ایک پمفلٹ کے ذریعہ مجلس اتحاد المسلمین نے اس کی تردید کی۔ اس پمفلٹ کے ابتدائی صفحات حسب ذیل تھے۔

"مجلس اتحاد المسلمین ملک سرکار عالی ۱۹ دسمبر ۳۲ء والے ہندو مہاسبھا کے زیر ہدایت منعقدہ جلسہ کے رزولیوشن اور جلسہ مذکور کے صدر وامن نائک صاحب کی تقریر اور اس کی تائید میں تین پمفلٹوں کی اشاعت کی نسبت سخت اظہار افسوس و ناپسندیدگی کرتی ہے کہ اس کے ذریعہ سراسر غلط واقعات کا اظہار کرکے ملک سرکار عالی کے صدہا سالہ ہندو مسلم اتحاد کو مٹانے اور اس طرح ملک کے امن وامان کو بدامنی سے تبدیل کرنے کا قدم اٹھایا گیا ہے۔ پس انسداد اسباب بدامنی کے خاطر مجلس اتحاد المسلمین ملک سرکار عالی رزولیوشن ہائے مذکورہ کے متعلق حسب ذیل انکشافات کرنے پر مجبور ہے۔

یہ رزولیوشن برطانوی ہند کی تقلید میں (جہاں کہ محکوم ہندو و مسلمان ایک تیسری فاتح و حکمران قوت سے اکثریت و اقلیت کے دلائل پر دست و گریبان ہیں) اس نیت سے مرتب کیا گیا ہے کہ حیدرآباد کی خود حکمران ریاست میں بھی جہاں کہ حکومت نے خود اپنی محکوم رعایا کو ہر طرح سے امن و آزادی دے رکھی ہے، امن سوز اغراض

کی اشاعت سے ملک کی پرامن فضا کو مسموم کر دے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ یہاں۔ زراعت، تجارت، گتہ داریان لین دین ، ہمتان دیکھی۔ دیسپانڈیاگری۔ دیسی عہدہ داریان وغیرہ سب ہندوؤں کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہیں۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ ان مواضع کی بہترین اراضیات سے وہی متمتع ہوتے ہیں۔ ایسے تقریباً ترسٹھ ہزار ملازمان دیہی کے ساتھ سرکار کی مہربانی اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ وہ سرکاری رقم تغلب بھی کریں یا کسی اور فوجداری جرم میں سزایاب بھی ہوجائیں۔ تو سرکار ان کی توریث کو برقرار رکھتی اور ان کے فوت ہونے پر ان کے وارث کو ان کی معاش و خدمت دیکر ایسے خاطی کے خاندانی حقوق کی حفاظت کرتی رہتی ہے۔ اس سے بڑھکر یہ کہ ان ملازمین دیہی کو اپنے زیر اثر رعایا و کاشتکاران سے سودی لین دین کرنے اور اپنے حلقہ اثر میں ان کو ہر طرح کی بیع و شری کی اجازت ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس جب رعایا محاصل سرکاری داخل کرتی ہے تو یہ اس میں سے پہلے اپنے قرضہ کی رقم معہ سود مجرا کرلیکر سرکاری پن کو بقایا میں ڈالدیتے ہیں گویا سرکار خود نقصان میں رہ کر اس طبقہ کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

اس کے علاوہ ہندوؤں کے ساتھ سرکار کی رواداری کا یہ عالم ہے کہ ہندو معاشدار لاولد فوت ہونے کے باوجود سرکار اپنی عطیہ

معاشوں کو (جن کو وہ ایسی صورت میں داخل سرکار کر لینے کی بالکل مجاز ہے) محض تبنیت کے ضمن میں ایک راستہ چلنے والے شخص پر بھی بحال کر دیتی ہے۔

لاکھوں روپیوں کا نقد رسوم اور لاکھوں روپیوں کی معاش دیسمکھی و دیسپانڈیہ گری جو محض موقتی و مقامی خدمات کی ادائی کا معاوضہ تھا باوجود اب ان خدمات کے باقی نہ رہنے اور ان فرائض کو سرکار دوسرے ذرائع سے بمصارف مزید انجام دلانے کے وہ تمام معاشہائے معاوضہ ہر وراثت پر بغیر کسی وضعات و کمی کے بدستور ان پر بحال رکھے جاتے ہیں۔

یہی وہ مراعات ہیں کہ ہندوں کے معاشین دو سو سال کی حکمرانی آصفیہ کے بعد بھی علیٰ حالہ قائم و برقرار ہیں جس کے باعث ہندوؤں کا تمول کبھی زوال پذیر نہیں ہوا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ :-

(۱) لاولد فوت شدہ مسلمانوں کی صدہا معاشین داخل سرکار ہو گئیں اور ہوتی جاتی ہیں۔ چنانچہ آج تک تخمیناً ۴۵ فیصدی خالصہ ہو چکی ہیں۔

(۲) اگر کسی وارث اناث پر جزءاً بحال بھی ہو تو تاحیات کی قید لگ جاتی ہے۔

(۳) وہ تمام منصب جو ان کے خون بہانے اور جاں نثاری

کرنیکے صلہ میں عطا ہوئے تھے ان میں ہر وراثت پر
وضعات کا عمل نافذ ہے۔ جس کے باعث صدہا
منصب معدوم ہو کر اس وقت تک سینکڑوں خاندان
معرض تباہی میں آچکے ہیں۔

۴۔ مسلمانوں کو جو معاشین مقامی اور موقتی خدمات
کے لئے مثل سمتان و دلیکہ و دیپانڈیہ وغیرہ عطا ہوئے
تھے مثلاً مدافعانہ فوج و حفاظت قلعہ جات وغیرہ
وہ سب محض اس بنا پر کہ اب محل شرط باقی نہیں رہا
ہے شریک خالصہ کر لئے گئے اور کر رئیے جاتے ہیں۔
بحالیکہ اسی عنوان کی معاشین محل شرط باقی نہ رہنے
پر بھی ہندوؤں پر بحال و اجرا رکئے جاتے ہیں

۵۔ زراعت کرنا چاہیں تو عہدہ داران دیہی جو تمام تر
ہندو ہیں وہاں مشکل دخل پانے کا موقع دتیے ہیں۔

۶۔ تجارت کے لئے۔ روپیہ کی ضرورت ہے مگر یہ خود ہی
ہندوؤں کے مقروض ہیں۔

اب ان کی معیشت و زندگی بسر کرنے کا اہم اور واحد ذریعہ
صرف ملازمت رہ گیا ہے۔ جس میں کثیر کنبے بغیر کسی آسائش
کے محض زندگی کے دن گذارتے ہیں۔ اور پھر ملازمتوں کا دائرہ
بھی محدود ہے۔ بریں ہمہ قدیم سے یہ عمل رہا ہے کہ اس میں بھی

ہندوؤں کو معقول تعداد میں حکومت داخل کرتی رہتی ہے جس سے مسلمانوں کی حق تلفی ہو کر دن بدن وہ مفلس اور خستہ حال ہوتے جا رہے ہیں۔

اس موقع پر مہا سبھا کی مبینہ فیصد (۸۵) کی تعداد بھی حقیقتاً ایک دھوکہ ہے اور اس دھوکہ کی حقیقت ان کے اس مسلمہ طرز عمل سے ظاہر ہے کہ جو ہر ایک فائدہ حاصل کرنے کے موقع پر مہا سبھائی ہندو ان اقوام کو اپنے میں شامل کر لیتے ہیں۔ جن کا سایہ بھی ان کو ناپاک کر دیتا ہے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے کہ جس کا اعلان خود اقوام مذکور۔ بہ بانگ دہل کر چکی ہے۔

چنانچہ ابھی نیچ قوموں کی آل انڈیا ڈی پریسڈ وابک ورڈ کلاسس لیگ کے سپاسنامہ کے ذریعہ جو اعلیٰ حضرت بندگانعالی کو بمقام لکھنو مارچ ۳۲ء میں پیش کیا گیا ہے۔ کل ہندوستان کے کروڑ ہا پست اقوام کے نمایندوں نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مملکت آصفیہ میں پست اقوام کی فلاح و بہبودی کا جو انتظام ہے وہ ہندوستان کے کسی حصہ میں نہیں ہے اور یہ بتلا دیا گیا ہے کہ مختلف صوبوں کی سبھاؤں کے پچاس پچاس ہزار کے اجتماع نے اس بارے میں اعلیٰحضرت کے حق رسی اور تشکر گذاری کے رزولیوشن پاس کئے ہیں۔

اور اسی میں یہ بھی صاف طور پر بتلا دیا گیا ہے کہ اونچی

ذات کہلانے والے ہندوؤں سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔
اور کھلے طور پر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ مملکت آصفیہ میں سب سے
زیادہ آبادی پست اقوام کی ہے۔ لیکن عہدوں پر اونچی ذات
والے ہندو اپنی تعداد سے بہت زیادہ عہدے حاصل کئے ہوئے ہیں
اور آئندہ ان مدعیان خدمت کو مزید عہدے دینے سے
یہ کہکر بہ شدت اختلاف کیا گیا ہے کہ ان کے ہاتھوں پست
اقوام پامال کر دیئے جائینگے۔ جیسا کہ تمام ہندوستان میں پامال
کئے جا رہے ہیں
اسی سلسلہ میں اچھوتوں کے میگزین اخبار پراچین بھارت
دہلی کا مضمون جس کی ہنڈنگ ہے کہ (ہم کون ہیں) جو مسٹر
دیوی دیال سکرٹری آدی ڈرویڈا ایجوکیشنل لیگ دکن گولی
پورہ نے رہبر دکن مورخہ ۱۲ مارچ ۳۲ء میں طبع کرایا ہے
اس میں صاف طور پر اپنے متعلق بتلایا ہے کہ (یہ جماعت ہندوؤں
سے الگ ہی ہے) اس کے علاوہ خود ریاست حیدرآباد کے
اچھوت اقوام کے پندرہ لیڈروں نے اپنے دستخط سے اعلیحضرت
کے حضور میں درخواست بھیجکر ہندو مہاسبھا کے مذکورہ بالا
جلسہ اور اس کے رزولیوشن کے خلاف سختی سے احتجاج بلند
کیا ہے اور اپنے حقیقی خدمات و وفاداری کے مدنظر کھلے طور پر
یہ کہدیا ہے کہ :۔

ایسی شکایات کو اس وقت پیش کرنا غیر وفاداری اور ناشکر گذاری کا فعل ہے اور اس سے سرکار عالی کے عہدہ داروں کے خلاف غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی مہاسبھا کے ۸۵ فیصد والی استدلال کی نسبت یہ لکھا ہے۔

۸۵ فیصدی کا جو دعوی کیا گیا ہے وہ غلط ہے بلکہ اچھوت خانہ بدوش و دیگر اقوام نکل جانے کے بعد خاص اعلیٰ طبقہ کے ہندو صرف فیصد (۲۵) رہ جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا حقیقت حال کی روشنی میں ہندو مہاسبھائیوں کا مزید عہدے دینے کا مطالبہ اس طرح بے حقیقت ہو کر رہ جاتا ہے کہ ایک نظر غلط انداز کا بھی مستحق نہیں ٹھیرتا۔ پس یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جس قدر خدمات و عہدے اس مدعی خدمات طبقے کو دیے گئے ہیں وہ ملحاظ ان کے تناسب کے بہت زیادہ ہیں۔

حالانکہ یہ کلیہ بھی کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ شعبۂ حکمرانی حکومت کا ایک انتظامی صیغہ ہے۔ جس میں کے ہر حکمران قوم کاروبار سلطنت انجام دلانے میں زیادہ تر اپنے ہم قوم افراد پر بھروسہ کرنے پر فطرتاً مجبور ہے۔ اور اس کے ساتھ اپنے محکوم اقوام کو بھی ان کے معیار وفاداری و لیاقت کے مدنظر تا بحد مناسب انتظام سلطنت میں شامل کر لیتی ہے اور

یہی ہر ایک متمدن گورنمنٹ کا معمول بہ ہے۔ اس لائن میں کسی اور کو محض تناسب آبادی کی بنا پر مطالبہ کا استحقاق نہیں پہنچ سکتا۔

برین ہم یہاں کی اسلامی حکومت ہی ایک ایسی حکومت ہے کہ متمدن حکومتوں کے عمل کے برخلاف حدمناسب سے گزر کر تناسب آبادی سے بھی زیادہ خدمات و عہدے محکوم قوم کو دیا کرتی ہے جس کے بالمقابل مسلمان رعایائے ملک سرکار عالی شدت کے ساتھ بہاں سے یہ مطالبہ کر سکتی ہے کہ وہ کسی ہندو ریاست میں مسلمان رعایا کے ساتھ ایسی پرورشی و سلوک کی نظیر پیش کرے۔

جہاں کہ ابھی پیسہ اخبار مورخہ ۲۵ فروری ۳۲ء سے افسوسناک حقیقت کا اظہار ہوا ہے کہ:۔

ریاست بیکانیر کی بیس فیصدی وفادار اور جان نثار مسلمانوں کی آبادی کو اعلیٰ چھوڑ ادنیٰ ملازمتوں میں بھی کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔ مہاراجہ صاحب کے ذاتی اسٹاف شاہی خاندان کابینہ وزارت اور سکرٹیریوں میں ایک بھی مسلمان ملازم نہیں۔ اور تمام عدالتوں، ہائیکورٹوں سے لیکر محکمہ جات آبپاشی جنگلات۔ تعلیمات۔ جیل۔ پبلک ورکس۔ برقیات۔ معدنیات فنیانس۔ امداد باہمی۔ وغیرہ غرضکہ جس قدر بھی محکمے ریاست

میں نظر آتے ہیں کسی میں بھی کوئی مسلمان دکھائی نہیں دیتا صرف تحصیلداروں میں دو مسلمان تحصیلدار ہیں۔ جن کو پچاس پچاس روپیہ ماہوار دی جاتی ہے۔

حالات بالا کے مدنظر مجلس ہذا مسلمانان رعایا ملک سرکار عالی کو ان کے جائز مفاد سے محروم کرنے والے مہاسبھائی پروپگینڈہ کو بنظر حقارت دیکھتی اور سرکار عالی سے عرض کرتی ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ ایسی رواداری سے احتراز فرمائیں کہ جس سے مسلمانوں کے جائز مفاد کو نقصان پہنچکر وہ تباہ ہو جائیں۔

اس موقع پر مجلس ہذا مسلمان رعایا ملک سرکار عالی کے اس اضطراب و تردد سے بھی سرکار کو آگاہ کرنا اپنا وفادارانہ فریضہ خیال کرتی ہے جو اس تصور سے پیدا ہو رہا ہے کہ مہاسبھائی پروپگینڈہ سے حکومت متاثر ہو رہی ہے) جس کے خط و خال سررشتہ مال کے اس تازہ عمل سے نمایاں ہیں کہ (۹) جائداد ہائے تقرر طلب میں سے پانچ غیر مسلمون کو دیکر صرف چار مسلمانون کو دیگئی ہیں۔ بحالیکہ بلحاظ قابلیت منتخب امیدوارن میں مسلمانوں کی تعداد (۸۰) تھی اور غیر مسلمون کی (۳۵)

اس طرح کی تقسیم اور اس طرح کے لزوم کو مسلمان رعایائے ملک سرکار عالی کے خاص حالات اور قدیم روایات کے نہ صرف برخلاف سمجھتی ہے بلکہ اس تصور سے بے چینی محسوس

کر رہی ہے کہ یہ طریقہ عمل مسلمانوں کے رہے سہے ذریعہ معشیت کو تبدریج انحطاط پذیر کر کے بالآخر ان کو افلاس کے تحت الثری تک پہنچا دے گا۔"

اس ایک پمفلٹ کے علاوہ اور کوئی چیز ۱۳۵۶ھ تک ایسی نظر نہیں آتی کہ مجلس اتحاد المسلمین کو ایک سیاسی یا نیم سیاسی جماعت بناسے۔ البتہ مجلس نے اس پوری مدت میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو یکجا کرنے کی کوششیں ضرور کیں۔ اور مختلف اوقات میں اس کے ارکان سر جوڑ کر اس کی تدابیر سوچتے اور اس پر عمل کرتے رہے۔ اس طرح اتحاد و اتفاق کے لئے قلوب میں جگہ پیدا ہو گئی جو مجلس اتحاد المسلمین کی نشاۃ ثانیہ میں نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اس پوری مدت میں یعنی ۹ سال تک مجلس اتحاد المسلمین کے معتمد مولوی محمود نواز خان صاحب رہے۔

مجلس اتحاد المسلمین میدان عمل میں

۱۳۵۶ء م ۱۳۴۸ف کا زمانہ تاریخ حیدرآباد کا ایک ناقابل فراموش زمانہ ہے۔ اس وقت وہ تمام اثرات نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگے جو ہندوستان کی سیاسی تحریکوں سے قلمرو آصفی پر پڑ رہے تھے۔ ہندوستان میں نصف صدی سے زیادہ کی مختلف سیاسی تحریکوں کا پھل ۱۹۳۵ء کے دستور ہند کی شکل میں مل چکا تھا اور ایک

مدت سے اکثریت و اقلیت کا تصور مغربی انداز حکمرانی پر ہندوستان کو لانے کا خیال اور (Majority should rule) (اکثریت کو حق حکمرانی حاصل ہے) کا جو خواب دیکھا جا رہا تھا اس کی تعبیر جاگتی ہوئی آنکھوں کے سامنے تھی۔

دستور ہند ۱۹۳۵ء کے دو اجزا ہیں۔ ایک صوبہ واری خودمختاری جو نافذ ہو چکا تھا۔ اور دوسرا حصہ وفاق جس کے نفاذ کے لئے زمین ہموار کی جا رہی تھی۔ ان دونوں اجزاء میں "اکثریت کو حکمرانی کا حق ہے" تسلیم کیا جا چکا تھا بلکہ ان کی بنیادیں ہی اسی نظریہ پر رکھی گئی تھیں۔ اس لئے ابنائے وطن کے ہاں گھی کے چراغ جل رہے تھے، اور مسلمانان ہند کے کلبۂ احزان میں ٹمٹماتے ہوئے دیئے کو بھی باد مخالف بجھانے میں مصروف تھی۔

صوبہ جاتی خودمختاری کے ذریعہ ہندوؤں نے ہندوستان کے اکثر صوبوں میں جنہیں قلمرو آصفی کے ہم سرحد صوبے بھی داخل ہیں جبروتی حکومت حاصل کر لی تھی۔ انگریزوں سے ایک "شریفانہ معاہدہ" بھی ہو چکا تھا کہ وزراء کو اپنے اعمال میں خودمختاری حاصل رہے اور من مانے احکام نافذ کرنے میں گورنروں کے خصوصی اختیارات رکاوٹ ثابت نہ ہو سکیں۔

وفاق کے نفاذ میں جو دیر ہو رہی تھی وہ ریاست ہائے ہند کی سرد مہری کی بناء پر تھی۔ وفاق کی ہئیت ترکیبی اس طور پر رکھی گئی تھی کہ ہندوستانی ریاستیں اور صوبہ جات نیم خودمختار حکومتوں کی طرح

رہیں۔ اور مشترک امور کی نگرانی کے لیے ان ہی کے نمایندوں پر مشتمل ایک وفاقی ایوان بنایا جائے یہ وفاقی ایوان سارے ہندستان بشمول ریاستہائے ہند حکومت کرے ریاست ہائے ہند پر ایک طرف دولت برطانیہ کی طرف سے دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔ اور دوسری طرف ہندوستان کی اکثریتی جماعت اس فکر میں لگی ہوئی تھی کہ برطانوی صوبہ جات ہند کے نمونہ پر ریاستوں میں بھی حکومتیں قایم ہو جائیں۔ تاکہ وفاقی ایوان کے نمایندے ان کی مرضی و منشاء کے مطابق منتخب ہو کر مرکز میں جا سکیں۔ ریاستیں اس صورت حال سے پریشان تھیں اور یقینا یہ صورت پریشانی ہی کی تھی۔ وفاق میں ریاستوں کی شرکت کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے بعض اہم ترین ابواب مدنی اور ان سب سے زیادہ اقتدار حکومت کے بہت بڑے حصہ سے محروم ہو جائیں۔ سکہ، ڈاک، ذرائع مواصلات، دفاع، کروڑ گیری (چنگی) اور اسی طرح کے بہت سے اہم ابواب وفاقی ابواب میں شامل تھے ان ابواب سے بعض غیر موثر اور نام نہاد شرائط کے ساتھ دست برداری ضروری تھی۔

ٹھیک اسی زمانہ میں ۱۷ ہر آبان ۱۳۴۶ف کو صدر اعظم بہادر باب حکومت سرکار عالی حیدر آباد دکن نے مجلس وضع قوانین میں ایک معرکتہ آلارا تقریر فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکومت نے اس آئین حکمرانی کو جو اس سلطنت ابد مدت میں صدیوں سے جاری ہے تبدیل کرنے کا ارادہ

کرلیا ہے۔ ملک میں ایسے غیر مسلم سیاسی ادارے ایک سے زیادہ موجود تھے جو اس تبدیلی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس وقت اگر مجلس اتحاد المسلمین میدان عمل میں نہ آتی تو یقیناً مجبوراً خاموشی کی مہر ہوتی۔ اور وہ حق نہ دلا سکتی جو اس پر مسلمانان دکن کے احد داد ہونے کی وجہ سے عاید ہوتا تھا چنانچہ سنہ ۱۳۴۷ف میں مجلس اتحاد المسلمین نے بتاریخ ۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۶ھ مسلمانان دکن کے جلسہ عام میں جس کے صدر مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ تھے اپنا ایک جدید دستور منظور کیا۔ اس وقت اغراض و مقاصد کے ضمن میں حسب ذیل مسلک سیاسی کا اضافہ کیا گیا۔

"مسلمانان مملکت آصفیہ کی یہ حیثیت ہمیشہ برقرار رہے کہ فرمانروائے ملک کی ذات اور تخت اُن ہی کی جماعت کے سیاسی اور تمدنی اقتدار کا مظہر ہے۔ اسی بنا پر مملکت کی ہر دستوری ترمیم میں فرمانروا کے اقتدار شاہانہ کی بقاء واحترام مقدم رہے۔"

اس دفعہ کا اضافہ کرکے مجلس اتحاد المسلمین نے جس کی اس وقت نہ کوئی تنظیم تھی اور نہ کوئی طاقت محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھروسہ پر مسلمانوں کے سیاسی و معاشی تمام حقوق کا بار اپنے کاندھوں پر لیا

سیاسی شعور

اب مجلس اتحاد المسلمین کے سامنے جو راہ تھی اس کا پہلا قدم عامۃ المسلمین میں سیاسی شعور کا احیاء تھا

خوش قسمتی سے اس وقت مجلس کے معتمد مولوی خواجہ ابوالبیان محمد بہاء الدین صاحب اور شریک معتمد ملک کے مشہور خطیب اور بعد کو مسلمانان دکن کے صدر رہنما نواب بہادر یار جنگ بہادر تھے جنھیں زمانہ مابعد میں قوم نے گراں بہا خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قائد ملت اور جناح دکن کے پیارے القاب سے ملقب کیا۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مسلمانان دکن میں اجتماعیت بڑی حد تک مفقود تھی۔ ان کو اب تک سیاسی و معاشی کشمکش سے کبھی واسطہ ہی نہ پڑا تھا۔ وہ ایک ایسے خواب میں پڑے ہوئے تھے جو زندگی کی بہ نسبت موت سے زیادہ قریب کہا جا سکتا ہے۔ ان میں سیاسی شعور پیدا کر کے انھیں منظم کرنا یقیناً اتنا بڑا کام تھا کہ اگر مجلس اتحاد المسلمین اس قلیل مدت میں صرف اتنا ہی کر دیتی اور اس کے علاوہ کوئی جد وجہد نہ ہوتی تو پھر بھی ہم اسے ایک خرق عادت اور عجوبہ روزگار سمجھنے پر مجبور رہتے۔

مجلس اتحاد المسلمین کو ایسے ۲۰ لاکھ انسانوں سے واسطہ پڑا تھا جو صدیوں سے محو خواب تھے جن کے تصور میں بھی کبھی یہ نہ آیا تھا کہ ان کے تمدنی و سیاسی اقتدار پر خود ان کے پڑوسی حملہ کریں گے۔ جن میں سے شاید کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہندوستان میں سیاسی خیالات کی جو روچلی ہے وہ کسی دن دکن میں مسلمانوں کے اقتدار کی سربفلک عمارت کو ملبوں کا ڈھیر بنا دینے کیلئے اپنی پوری تیزی و شدت کیا تھ اس سطح

مرتفع پر آن پہنچے گا۔ اور ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ باہر سے صیاد ان کے آشیانہ پر آگ کی چنگاری پھینکے گا اور خود اہل گلشن اس آگ کو ہوا دینگے۔ وہ ہمیشہ سے ہندؤں کے ساتھ برادرانہ سلوک کرتے آئے تھے۔ اور اُن سے ایسے ہی سلوک کی اُمید رکھتے تھے۔ لیکن یکایک انھیں معلوم ہوا کہ :۔

آگ دی صیاد نے جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

خواجہ بہاءالدین صاحب نے اپنی تجارتی مصروفیتوں کے باوجود شب و روز محنت کی، اور نواب بہادر یار جنگ بہادر نے اپنا سارا وقت مسلمانوں کی تنظیم اور ان میں سیاسی شعور پیدا کرنے میں صرف کیا۔ نواب صاحب کی خداداد قوت بیان نے اس موقع پر بڑا کام دیا۔ اور مجلس کو عوام میں بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی۔ اسی زمانہ میں مجلس اتحاد المسلمین نے شاخوں کے قیام کا کام شروع کیا اور اس تیزی کیساتھ شروع کیا کہ دوست و دشمن حیران رہ گئے۔ اس سال ایک لائحہ عمل بنا کر مجلس کی شاخوں کو دیا گیا۔ جس میں دارالمطالعہ۔ ورزش گاہ۔ دارالمباحث اور چھوٹی چھوٹی تجارتیں داخل تھیں۔

ایک ہی سال کے اندر شاخوں کی تنظیم۔ سیاسی بیداری، ورزش گاہوں کا قیام یہ سب مجلس نے کس طرح کیا۔ اور کیوں کر یہ سب کچھ ممکن ہوئے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ کام کرنیوالے پرجوش مخلص، اور بے چین قلب رکھنے والے تھے

کانگریسی وزارت

اگرچہ کانگریس نے ہمیشہ اپنی یہ پالیسی بیان کی کہ ہندوستانی ریاستوں کے معاملہ میں دخل اندازی نہیں کرے گی۔ لیکن جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے دستور ۱۹۳۵ء کے نفاذ نے جب کانگریس کو قوتی تمنا دیا تو اُس نے نہایت تیزی کے ساتھ ریاستوں کے خلاف مہم شروع کر دی۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ سب سے پہلے ریاستی نظم و نسق پر حملے شروع ہوئے، اس کے بعد ریاستوں میں اسٹیٹ کانگریس کی شاخیں قایم کی جانے لگیں۔

حیدرآباد میں صدر اعظم بہادر کی مذکورہ بالا تقریر کے بعد انکی ہمتیں بہت بڑھ گئیں، اور براہ راست حملہ شروع ہوگیا۔ یوں تو دوسری ریاستوں کے خلاف بھی کچھ نہ کچھ ہنگامے ہوئے لیکن دولتِ آصفیہ کے خلاف کانگریس اور اس کی بہن ہندو مہاسبھا نے اپنا سارا زور صرف کر دیا۔ ایک طرف حیدرآباد کے ہندو زعما بار بار واردھا کا طواف کرنے لگے۔ اور دوسری طرف حیدرآباد میں کانگریس اور مہاسبھا کے لیڈروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مقصد میں اتحاد ہونے کے باوجود مہاسبھا نے صاف گوئی کے ساتھ اور کانگریس نے قومیت کے پردہ میں ہندوؤں کو بھڑکانا شروع کیا۔ کانگریس کے ڈکٹیٹر گاندھی جی کی ہمدردیاں ریاستوں سے

بہت بڑھ گئیں۔ اور اخبارات میں گاندھی جی کے بیانات جمعیت کیساتھ حیدرآباد سے متعلق کئی بار چھپے ان بیانات میں ذمہ دار حکومت کی ہدایت فرمائی گئی۔ پرانے اصول کی کہ "ریاستوں کے معاملات میں کانگریس دخل نہ دیگی۔ عجیب وغریب تاویلین کی گئیں۔ اور بالواسطہ ریاستوں میں کانگریس نے ذمہ دارانہ حکومت کے لئے شورش پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔

اس طریقہ عمل پر کاربند ہونیکا مطلب صرف یہ تھا کہ دستور ۳۵ء کے دوسرے جز یعنی وفاق کے نافذ ہوجانیکے بعد کانگریس کو مرکز میں ریاستی نمایندوں کی پوری امداد اور اعانت حاصل رہے اسی ضرورت کیلئے ریاستوں میں آئینی شورش پھیلانے اور ذمہ دارانہ حکومت کے مطالبہ کو آگے بڑھانے کی سعی کی گئی۔

کانگریس کے اس رجحان کا اندازہ کرکے جو پہلے پہل ریاستوں کے ساتھ ہمدردی کی صورت میں ظاہر ہوا تھا ان سے زیادہ صاف الفاظ میں اپنا مقصد بیان کرنے والی جماعت یعنی ہندو مہاسبھا نے حیدرآباد کی فضا کو فرقہ وار خیالات سے بھر دیا۔ انھیں یقین تھا اور بالکل صحیح یقین تھا کہ جب تک حیدرآباد کے ہندوں میں فرقہ وار خیالات کی پرورش نہ کی جائے گی۔ ذمہ دارانہ حکومت کے مطالبہ میں وہ شدت پیدا نہ ہوسکے گی جو اس کے حصول کے لئے ضروری ہے۔

فرقہ وار فسادات

مہا سبھائی اصحاب نے اس مقصد کو سامنے رکھ کر حیدر آباد کے خلاف ممالک محروسہ کے اندر اور باہر پوری شدت کیساتھ دولت آصفیہ کے خلاف پروپگنڈا شروع کیا۔ ان کو کانگریس کی پوری ہمدردی حاصل تھی۔ اور کانگریسی پریس اس میں نمایاں حصہ لے رہے تھے۔ اس قسم کے پروپگنڈہ میں اگرچہ سچ کا عنصر نہیں ہوتا لیکن فرقہ وارانہ تعصب کی آگ اس سے بُری طرح بھڑک جاتی ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اور اس آگ کو قابو میں رکھنا خود کانگریس و مہا سبھا کے بس کی بات بھی نہ رہی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر مہا سبھائی زعماء اس آگ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے بھی تو کامیاب ہونا ذرا مشکل تھا۔ مگر افسوس کہ ایسی کوشش کرنے کی بجائے اس کو اور زیادہ بھڑکانے کی سعی کی گئی۔ اس صورت کا ذکر مولوی ابوالبیان خواجہ بہاء الدین صاحب معتمد اتحاد المسلمین نے اپنی رپورٹ بابتہ ۱۳۴۷ف میں حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے ۔

”ہندوستان کی جمہوری تحریکوں سے متاثر ہوکر یوں تو کئی سال ہوئے کہ نام نہاد ہندو نمائندوں نے حکومت حیدر آباد کے موجودہ طرزِ عمل اور آیندہ اصلاحات کے متعلق اظہار خیال شروع کر دیا تھا اور آریہ سماج نے حیدر آباد کے مختلف اضلاع اور قصبات

میں اپنی شاخیں قایم کرکے رعایا اور حکومت میں مسلمانوں سے
نفرت کے خیالات پھیلانا شروع کردیے تھے لیکن ہندوستان
کی تحریک آزادی نے جب صوبہ وار خود مختاری اور وفاقی حکومت
کی منزل پر پہنچکر سانس لی تو حریت وہ اصلاحات کا یہ نام نہاد جذبہ
دیسی ریاستوں میں بھی ایک دم بھڑک اٹھا اور اس کے سب سے زیادہ
قوی اثرات حیدرآباد پر پڑے۔ ابتداً تو صرف مطالبات کے پیش
کرنے اور بیرونی اخبارات میں جھوٹا پروپگینڈا کرنے پر اکتفا کیا گیا
لیکن سال زیر رپورٹ میں فرقہ وارانہ فسادات کا نیا حربہ استعمال
کیا گیا۔ جو حیدرآباد کی تاریخ میں سب سے پہلی افسوس ناک بلکہ
شرمناک مثال ہے۔ (اور اب ۱۳۴۸ف کا آغاز ایک جدید ترین
عمل سے کیا گیا ہے جس کا نام ستیہ گرہ یا سول نافرمانی رکھا گیا ہے
سب سے زیادہ تعجب یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ مطالبات میں یہ شدت
اس وقت ہوتی گئی جب کہ ۱۳۴۷ف کے آغاز سے قبل تاریخ ۷ اسد
آبان ۱۳۴۶ف اپنی تاریخی تقریر کے ذریعہ جناب نواب صدر اعظم
بہادر باب حکومت نے بصدارت دیوان بہادر آرامودو آئینگار
صاحب اصلاحات کمیٹی کا انعقاد فرمایا تھا اور فتنہ پردازوں کی
تمنائیں خود بخود پوری کی جارہی تھیں چنانچہ سال زیر رپورٹ
میں ملک کے مختلف حصوں میں فسادات کی آگ بھڑکائی گئی اور
قتل و خونریزی کے بازار گرم کیے گئے گلبرگہ میں ایک بیگناہ مسلمان کو

بیدردانہ قتل کیا گیا، بلدہ میں دو نہتے مسلمانوں کو دھوکہ دیکر قتل کیا گیا۔ اودگیر اور چنگوپہ میں ایک ایک مسلمان کی بے رحمی کے ساتھ جان لی گئی۔ ہوپلہ، گنجوٹی۔ کلیانی وغیرہ مقامات پر مسلمانوں پر بے وجہ حملے کئے گئے اور مدافعت کرنے والے مسلمانوں کو مورد الزام قرار دیا گیا۔

ضلع عثمان آباد میں تو اس طرح ہنگامے بپا کئے گئے کہ گویا وہاں کوئی حکومت اور قانون نہیں ہے۔ لوہارے میں کئی روز تک مسلمانوں پر پانی بند رہا اور جنہی میں مسلمان زمینداروں کی فصلیں لوٹ لی گئیں ان کو حبس بیجا میں رکھا گیا۔

نظام آباد، پربھنی وغیرہ مقامات میں ایسی صورت حال پیدا کی گئی کہ اگر مسلمان اپنے ضبط کو قایم نہ رکھتے تو یقیناً ... خون ہوتا۔ ان سب سے بڑھ کر یہ حکومت اور اعلحضرت بندگانعالی کی شان میں گستاخی کر کے مسلمانوں کے جذبات عقیدت سے کھیلا گیا۔ ان سب حالات نے مسلمانوں پر واضح کر دیا کہ مجلس گیارہ سال سے جن خطرات کی پیشین گوئی کرتی تھی وہ مبنی بر حقیقت تھی۔ اور مسلمانوں میں عام بیداری اور جوش پیدا ہوگیا تھا اور ملک کے ہر گوشہ میں وہ آمادہ عمل نظر آنے لگے

مجلس نے نہایت دانشمندی کے ساتھ حالات کا مطالعہ کیا۔ ایک طرف مسلمانوں کی نمایندگی کر کے ان کی شکایات کو حکومت

تک پہنچا کر ان کے حقوق کی حفاظت سے متعلق اپنے فرائض کو کما حقہ ادا کیا اور دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم اور اصلاح اور ان کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے اپنے تمام وسائل و ذرائع سے کام لیا"

اسٹیٹ کانگریس

حیدرآباد میں کانگریس زدہ اشخاص کی طرف سے جو کوشش حکومت حیدرآباد کے خلاف جاری تھی اس کی شکل کو فرقہ وارانہ خیالات کی اشاعت نے اس درجہ گھناؤنی بنا دیا تھا کہ ایک خوبصورت نقاب کی ضرورت شدت کیساتھ محسوس کی جانے لگی چنانچہ اسی ضرورت کا احساس کر کے انھوں نے حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس کے نام سے ایک ادارہ کے قیام کا اعلان کر دیا۔ یہ فرقہ وارتنگ ذہنیت کے لئے ایک خوبصورت نقاب تھا جس میں قوم پرستی اور وطن پروری کے خوبصورت گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔

ایسی صورت میں جب کہ حکومت اصلاحات دستوری کے معاملہ پر غور کرنے کے لئے آئینی کار کمیٹی کا تقرر کر چکی تھی، اور ملک میں فرقہ پرستی کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس قسم کے ادارہ کا قیام اور اس کی آزادی کے یہ معنی تھے کہ شر و فساد کی قوت و وسعت میں اور اضافہ ہو جائے۔ اس لئے حکومت نے اس ادارہ کو غیر آئینی

قرار دیا۔

ستیا گرہ

اسٹیٹ کانگریس کے غیر آئینی قرار دیے جانے کے بعد ہی ستیا گرہ کی مہم شروع ہو گئی۔ لیکن کانگریسیوں کو ایک دقت کا سامنا کرنا پڑا وہ یہ کہ وطن پروری کے ساتھ ساتھ اس ستیا گرہ کو کامیابی کے ساتھ چلانا آسان نہ تھا عوام کی مخالفت اور خصوصاً مجلس اتحاد المسلمین کی طرف سے حکومت کے متعلق صحیح حالات کی اشاعت اس کو صریح فرقہ دارانہ جدوجہد ثابت کر رہی تھی۔ اس لئے دو فرقہ وارانہ محاذ قایم کئے گئے۔ اور اسٹیٹ کانگریس کے نام سے ستیا گرہ جو جاری تھی۔ اسے ختم کر دینا پڑا۔ اس کے بعد ہی لوگ جو اسٹیٹ کانگریس کے روح رواں تھے۔ ہندو سول لبرٹی یونین، اور آریہ ڈیفنس لیگ کے ناموں سے ستیا گرہ کی مہم کو آگے بڑھاتے رہے۔

مجلس اتحاد المسلمین کی بروقت رہنمائی

فسادات، ستیہ گرہ، اور ہندو مسلم منافرت کی وجہ سے ملک میں شدید بے چینی پیدا ہو گئی اور مسلمانوں میں اس درجہ خوف وخطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر وقت پر مجلس اتحاد المسلمین کی رہنمائی اعظین

حاصل نہ ہوتی تو شاید ان کی ہمتیں حد درجہ پست ہو جاتیں۔ مسلمان پریشان تھے۔ ہراس طاری تھا اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے ٹھیک اس وقت مجلس اتحاد المسلمین کا سالانہ جلسہ ۲ ہر شوال ۱۳۵۷ھ کو ملک کے مشہور مدبر مولوی ابوالحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مولوی صاحب موصوف اپنی سنجیدگی اور اصابت رائے اور صلح کل طبیعت کی وجہ سے حیدرآباد کے مسلم و غیر مسلم دونوں حلقوں میں خاص حیثیت رکھتے ہیں، موصوف نے اس اجلاس میں جو خطبہ صدارت پڑھا ہے۔ وہ بجنسہٖ اس کتاب کے صفحہ ۹۷ پر درج ہے۔ اس میں اس وقت کی پوری کیفیت کا مختصر مگر بہت ہی مکمل نقشہ کھینچکر بتایا گیا ہے کہ مجلس کو آئندہ کیا کرنا چاہیئے۔

خوش قسمتی سے اس اجلاس میں جو نئے انتخابات عمل میں آئے اس میں مولوی صاحب موصوف ۱۳۵۸ھ کے لئے مجلس کے معتمد منتخب ہوئے۔ مجلس اتحاد المسلمین کا کام اب اس قدر بڑھ گیا تھا کہ معمولی توجہ اور وقت کی تھوڑی قربانی سے اس کام کا چلانا ممکن نہ تھا۔ مولوی صاحب نے اپنی وکالت کی مشغولیتوں کو کم کر کے، ہزارہا روپیوں کا نقصان اٹھایا، مگر قوم کی خدمت سے پہلوتہی نہ کی۔ تقریباً اپنا سارا وقت مجلس کے کاموں کی نذر کر دیا۔ یقیناً مسلمانان دکن کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اس

نازک وقت میں انھیں نواب بہادر یار جنگ جیسا مخلص اور نہ تھکنے والا۔ اور مولوی ابوالحسن سید علی صاحب جیسا مستعد شخص خدمت کے لئے مل گیا۔

مولوی ابوالحسن صاحب نے معتمدی کا جائزہ حاصل کرنے کے بعد جس طریقہ سے کام شروع کیا اس کا حال خود اُن ہی کی زبان سے سنئے اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں

"مجلس کی معتمدی کا جائزہ حاصل کرنے کے بعد میں نے اس کی ضرورت محسوس کی اس مجلس کے کاروبار کو منظم طریقہ پر ایک نشان زدہ راستہ پر لے چلنا مجلس کے مقاصد کے حصول کے لئے ناگزیر ہے۔ یہ زمانہ وہ تھا جبکہ مختلف ہندو ادارے اعلحضرت بندگان عالی کی ذات مبارک اور حکومت اور مسلم جماعت کو بدنام کرنے کے لئے متحدہ محاذ قائم کر کے ملک میں نہ صرف ستیا گرہ کر رہے ہیں بلکہ انھوں نے اپنے جھوٹے پروپگنڈے سے ملک کے باہر ہندوستان کے عرض و طول میں حیدرآباد کی حکومت کی سیاہ ترین تصویر پیش کر رہے تھے۔ اس کے مقابلہ کے لئے ضرورت اس کی تھی کہ صحیح حالات کا ہندوستان کے مسلمانوں پر انکشاف کیا جائے اور اُن کو حقیقت حال سے واقف کرا جائے۔ چنانچہ اسی تدبیر کی پیش رفت میں آل انڈیا مسلم لیگ کے

اجلاس ٹپنہ میں بہ معیت نواب بہادر یار جنگ بہادر و مولوی احمد عبداللہ المسدوسی شرکت کی گئی۔ جہاں ہندوستان بھر کے مسلم زعما اور نمایندگان موجود تھے اور حیدرآباد کے مسالہ کو پیش کیا گیا۔ اس طرح حیدرآباد کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بیرونی مسلمانوں کے دلوں میں حیدرآباد کے لئے ایک ایسا درد پیدا کیا گیا کہ وہ حیدرآباد کے مسئلہ کو اپنا مسئلہ سمجھنے لگے۔ چنانچہ آریہ سماج کی جانب سے جب ۲۲ ھ جنوری ۳۹ء کو آل انڈیا حیدرآباد ڈے مقرر کیا گیا تو ہندوستان کے ہر گوشہ سے مسلمان اداروں اور عوام نے اس جواب دیا۔ حیدرآباد کی ستیاگرہ کے خلاف ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہا جہاں سے مسلمانوں نے آواز بلند نہیں کی اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ معاندین کے حوصلہ پست ہو گئے اور اگرچہ داخلی طور پر ہماری حکومت نے اس تحریک پر جو سراسر بے بنیاد اور جھوٹی تھی کچلنے کے لئے کسی مضبوط پالیسی کو اختیار نہیں کیا لیکن نو کروڑ مسلمانوں کی آمادگی نے اس کو خود بخود مضمحل کر دیا۔

دوسرا معین راستہ مجلس کے کاروبار کو صحیح طریقہ پر چلانے کا یہ تھا کہ ملک کی مسلم جماعت میں جو خواب گراں میں مدہوش تھی بیداری پیدا کر کے ان کی مسائل حاضرہ سے واقف کرایا جائے اور ہمیں عزم استقلال اور خود اعتمادی پیدا کی جائے۔ اگرچہ خطرات

سے واقف ہو کر مسلم جماعت خوف و ہراس کی زندگی بسر کر رہی تھی اور اپنے مستقبل سے مایوس تھی لیکن مجلس کی صحیح رہنمائی اور قربانی وایثار کے جذبات نے جماعت کے حوصلے بلند کر دئیے اور ان میں وہ ارادہ ہمت اور بلند حوصلگی پیدا کر دی جس کی ضرورت ان حوصلہ شکن حالات کے مقابلہ کے لئے تھی ۔ مجلس کی قرار دادوں نے جہاں مسلمانون میں عزم استقلال اور خود اعتمادی پیدا کی وہاں حکومت کو بھی متنبہ کر دیا کہ مسلمانون کے حقوق پر کوئی جماعت محض اپنی تعدادی قوت کی بنا پر دست درازی نہیں کر سکتی ۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ دستوری اصلاحات میں جس کی بنیاد اقلیت و اکثریت کے اصول پر رکھی جا رہی تھی ۔ ایسی ترمیمات ضروری سمجھی گئیں جن سے مسلم جماعت کے حقوق کا تحفظ یقینی ہو گیا"

حق کی حمایت

اس زمانہ میں جب کہ تمام ہندو پریس و پلیٹ فارم حیدرآباد اور حکومت حیدرآباد کے خلاف زہر افشانیوں میں پوری طرح مصروف تھے، مجلس اتحاد المسلمین نے کامل احساس دردمندی کے کیساتھ اس افترا پردازی کے انسداد کا عزم کیا ۔ مولوی سید فضل حسین صاحب وکیل ہائیکورٹ و رکن مجلس عاملہ مجلس اتحاد المسلمین کی قیادت میں ایک وفد برطانوی ہند کے دورہ پر روانہ ہوا۔ تاکہ

ذمہ دار افراد اور ادارہ جات کو حقیقت سے روشناس کرائے

اور بتائے کہ حیدرآباد میں ہندوؤں پر مبینہ ظلم و ستم کی روداد میں اس کے سوا کوئی صداقت موجود نہیں کہ وہاں مسلمانوں پر بجبر یورگوا لیا اور جودھپور و الور کی طرح ہندوؤں کو ظالمانہ تسلط نصیب نہیں ہے۔

اس وفد نے تقریباً دو ماہ تک برطانوی ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کر کے اپنا یہ فرض انجام دیا اور اس کامیابی کے ساتھ انجام دیا کہ سارے برطانوی ہند کی ہمدردی دولت آصفیہ کو حاصل ہو گئی۔ خود سنجیدہ ہندو طبقہ نے بھی آریوں کے اس دروغ بافی کا تانا پو دبکھیر کر رکھ دیا۔ برطانوی ہند کے مختلف حصوں سے ہندو سول لبرٹی اور آرین ڈیفنس لیگ کی ستیاگرہ کے خلاف آوازیں بلند ہوئیں۔

حکومت کو مشورہ

مجلس اتحاد المسلمین نے اس نازک وقت میں جہاں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی اُن کو صحیح حالات سے باخبر رکھنے اور ان میں حقیقی سیاسی شعور پیدا کرنے کی خدمتیں انجام دیں وہاں اس فریضہ سے بھی بے خبر نہیں رہی جو ایک سچی وفادار جماعت ہونے کی بناء پر دولت آصفیہ کی طرف سے اس پر عائد ہوتا تھا ایک طرف وہ اپنے ذمہ دار ارکان کو برطانوی ہند میں جہاں سے بے کار اور

جاہل نوجوانوں کو پانچ چھ آنے یومیہ اُجرت دیکر ستیہ گرہ کے لیے لایا جاتا تھا، بھیجکر وہاں کے ناواقف لوگوں کو صحیح حالات سے روشناس کرایا۔ دوسری طرف اس نے حکومت کو بہترین دانشمندانہ مشورے اس صورت حال سے نبٹنے کے لئے دیئے۔ اور ملک میں دہشت انگیزی اور امن سوزی کی جو ناپاک کوشش کی جارہی تھی۔ ان کے فی الواقعی تدارک کی طرف متوجہ کیا۔

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ مجلس اتحاد المسلمین کو اپنی مخلصانہ مساعی میں بیرون ممالک محروسہ جس قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی قدر اندرون ملک اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آریہ سماج اپنی شر انگیزی میں برابر مشغول رہے، خود شہر حیدرآباد ان کی عافیت سوز اور امن شکن ہنگاموں کا شکار ہوتا رہا لیکن حکومت نے پنجہ آہنی کی قوت دکھانے کی بجائے اُن کے سر پر مادر مہربان کی طرح شفقت کا ہاتھ پھیرا۔ ان کے لئے جیلخانوں میں وہ راحتیں مہیا کی گئیں جوان بے چارے مزدوروں کو اپنی جھونپڑیوں میں کبھی میسر نہ آسکتی تھیں۔ عدالت کے فیصلہ کے باوجود ان سے مشقت نہ لی گئی۔ ان کے لئے اولٹین اور دودھ مہیا کیا گیا۔ اس طرح قانون شکنی کے مجرمین کے دل بڑھائے گئے۔ حکومت نے امن قائم رکھنے کے فرض کو رواداری اور محبت کی فراوانی سے بھلا دیا۔ حتیٰ کہ بار بار اپنی صفائی اخبارات میں پیش کرکے اپنے

وقار کو بھی صدمہ پہنچایا۔ حکومت نے عملاً یہ ثابت کر دیا کہ اسے ہندوؤں کی خاطرداری مسلمانوں سے زیادہ منظور ہے۔ اس وقت مجلس اتحاد المسلمین کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ دکن میں مسلمانوں کے شش صد سالہ فاتحانہ اقتدار اور حاکمانہ وقار کو نزع میں دیکھکر اس سے نہ رہا گیا۔ اس نے حکومت پر نکتہ چینی کی۔ اور عزم کرلیا کہ

"وہ مسلمانان مملکت آصفیہ کے ان مفادات و امتیازات اور حقوق کو برقرار رکھیگی جو دکن میں ان کو نہ صرف سیاسی اقتدار کی بقا بلکہ معاشی اور ثقافتی حیثیت کے تحفظ کے لئے توارثاً و تعاملاً حاصل رہے ہیں"۔

اب مجلس کے کاندھوں پر دوگونہ ذمہ داریوں کا بار تھا۔ ایک تو وفاداراور نہایاں وفادار جماعت ہونے کی بنا پر حکومت کو تخت و تاج کے وقار و اقتدار کی حفاظت کے لئے مخلصانہ اور بے خوفانہ مشورے دینا۔ اور دوم ملت اسلامیہ دکن کے حقوق کی حفاظت کیلئے مسلمانوں کو تیار کرنا تاکہ گذشتہ چھ سو سال سے جس طرح حکومت دکن کے دست راست بنے رہتے ہیں آئیندہ بھی حکومت کے ہر آڑے وقت میں کام آسکیں۔

مجلس اتحاد المسلمین نے ان دونوں فرائض کو کس طرح انجام دیا۔ اور کس حد تک اس میں کامیاب رہی وہ آپ کو اس مضمون کے اس حصے سے معلوم ہوگا۔ جو اصلاحات سے متعلق ہے۔

گفتگوئے مفاہمت

مجلس اتحاد المسلمین موجودہ فرقہ وارانہ مخاصمت سے سخت پریشان تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی۔ اور نہ چاہتی ہے کہ یہاں کی دو بڑی قوموں میں اختلاف و افتراق کی خلیج حائل رہے۔ اس لئے وہ بے چین تھی کہ ہندوؤں کو اگر واقعی شکایت ہے تو اسے معلوم کرے۔ اس کا دفعیہ کیا جائے۔ اور یہ دونوں قومیں کسی طرح ایک راضی نامہ طے کریں اور اس کے بعد اسی طرح خوش و خرم میل میلاپ کی زندگی بسر کریں جس طرح وہ صدیوں سے بسر کرتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپس کا اتفاق ملک کی ہر جہتی ترقی کے لئے ضروری ہے، اور مسلمان اس کے سب سے زیادہ مشتاق تھے، چنانچہ میر اکبر علیخان صاحب بیرسٹر نے جو اگرچہ مجلس اتحاد المسلمین کے رکن نہ تھے لیکن بہر حال مسلمان تھے۔ اور اتحاد المسلمین کی تمنا سے ان کی تمنا الگ نہ تھی۔ اس مقصد کے لئے جد و جہد شروع کی۔ اور ایک متحدہ پلیٹ فارم کی تعمیر کا کام شروع ہوا یہ وہ وقت ہے کہ نواب بہادر یار جنگ بہادر اپنی بے لوث خدمات اور غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے مسلمانان دکن کے معتمد علیہ قائد ہو چکے ہیں۔ اور سب کو معلوم ہے کہ نواب صاحب موصوف پر اتحاد المسلمین کو پوری طرح اعتماد ہے اس لئے میر اکبر علیخان صاحب نے نواب صاحب سے گفتگو کی۔ نواب صاحب نے اس کام کی سرانجام دہی

کیلئے اس اعتماد کی ایک مرتبہ پھر عامتہ المسلمین سے توثیق کرائی جو اِنھیں
حاصل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد مسلسل چودہ نشستوں میں ہندو حضرات
سے گفتگو کی شرائط مفاہمت بڑی حد تک طے پا چکے تھے۔ اور
متفقہ فیصلہ کی حیثیت سے حکومت کے سامنے پیش کئے جانیوالے
تھے کہ ۷ ۱ آبان ۱۳۴۷ ف کو نواب صدر اعظم بہادر۔ باب حکومت
نے دستوری اصلاحات کیلئے ایک مجلس کے تقرر کا اعلان فرمادیا
اس بے وقت کے اعلان نے باہمی مفاہمت کی نہ صرف قیمت گھٹادی
بلکہ فرقہ وارانہ جذبات کی پرورش کے لئے ماحول پیدا کردیا۔ اُن
لوگوں کے لئے جو قدیم طریقہ حکمرانی میں تبدیلی کو ضروری سمجھتے تھے
مفاہمت میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہی اور یہ گفتگو نامکمل رہ گئی۔

دوسری گفتگو

پھر چند مسلمانوں نے کوششیں شروع کیں۔ اور دوبارہ گفتگو
مفاہمت کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے نواب بہادر یار جنگ بہادر
کی نمائندہ حیثیت مسلّم تھی۔ لیکن اس مرتبہ ہندوؤں کی طرف سے گفتگو
کون کرے یہ امر خود اُن ہی کی جماعت میں مابہ الاختلاف ہوگیا۔
مسٹر نرسنگ راؤ بڑی دقتوں کے بعد اپنی جماعت سے خط اعتماد حاصل
کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ ابتدائی دور میں یہ گفتگو بڑی اچھی طرح
جاری رہی اور قضیہ سلجھتا نظر آنے لگا لیکن نوعیت حکومت کے مسئلہ

پر دونوں حضرات کے مابین اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور دونوں اپنے
اپنے نقطہ ہائے نظر پر شدت کیساتھ مصر رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گفتگو
بھی ناکام رہی۔

شائع شدہ مراسلت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر نرسنگ راؤ کو
اس پر اصرار تھا کہ "ذمہ دارانہ حکومت" کو کم از کم بعید نصب العین
کی حیثیت سے راضی نامہ میں تسلیم کرلیا جائے۔ اور نواب بہادر یار جنگ بہادر
جس امر پر مصر تھے کہ گفتگو کی پہلی منزل میں جب یہ طے شدہ ہے کہ
موجودہ طریق حکومت کی تبدیلی کا نہ کوئی مطالبہ کیا جائے گا اور نہ
مستقبل کے لئے کوئی شرط یا پابندی عائد کی جائیگی۔ تو ایسی صورت
میں مسلمانوں سے ایسے کسی نصب العین کے قبول کرنے کا مطالبہ نہیں
کیا جا سکتا۔

گفتگو جب شروع ہوئی تھی تو ابتداً عوام نے مسٹر نرسنگھ راؤ کے خطا عتماد
حاصل کرنیکی وقتوں کا حال سنکر اس کی ناکامی کا شبہ کیا تھا۔ لیکن جب مسٹر
نرسنگراو خط اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو بڑی امیدیں
اس گفتگو سے وابستہ ہوگئیں تھیں۔ اور یہ امید کی جاتی تھی کہ ایک
متفقہ نقشہ اصلاحات نظم ونسق کے لئے حکومت کے سامنے پیش کیا
جا سکیگا۔ افسوس کہ یہ امیدیں پوری نہ ہو سکیں۔ ان کے وجوہ اسباب
کا اندازہ ان تحریروں سے اچھی طرح ہو جاتا ہے جو مراسلات
کے عنوان سے انقطاع گفتگو کے تھوڑے ہی دنوں بعد مقامی

جرائد میں شائع ہوگئی ہیں۔ ان وجوہ کے علاوہ ایک اور بنیادی وجہ بھی تھی جسے علۃ العلل یا سبب الاسباب کہنا چاہیئے۔

ہمیشہ سے برطانوی ہند کے ہندو زعمار کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب تک مسلمانوں سے اختلاف رہتا ہے اس وقت تک وہ کسی ایک لیڈر پر اعتماد کرتے ہیں اور جب وہی لیڈر مسلمانوں سے صلح کر لیتا ہے تو اس کے متبعین اس سے چھوٹ کر الگ محاذ بنا کر لیتے ہیں۔ اس طرح وہ بیچارہ بالکل بے دست و پا ہو کر رہ جاتا ہے اس کا تجربہ کانگریس کے اکثر زعما کو ہوا ہے۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں جب لیگ اور کانگریس کے مابین ایک میثاق مودت طے پا گیا تو کانگریس کے موثر عناصر ایک ایک کر کے اس سے الگ ہو گئے۔ سارا بنگال بیچارے سرسیندر ناتھ بنرجی صدر کانگریس سے منحرف ہو گیا یہی حال ہوا ۱۹۲۳ء کے بعد، پنڈت مدن موہن مالویہ کانگریس سے روٹھ کر الگ جا بیٹھے اور ان کے چھوٹتے ہی بہت سے دوسرے حضرات نے بھی کانگریس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس طرح معاملہ کرنیوالا شخص یا جماعت بے اثر رہ جاتی ہے اور مفاہمت کا حقیقی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ تمام مساعی ایک غور کردہ طریقہ عمل کے مطابق ہوں۔ لیکن بہ ظاہر سی آر داس آنجہانی کی نیت پر کوئی شبہ کرنے کی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

بالکل یہی معاملہ کیا مسٹر رنگا راؤ کے ساتھ ان کے ساتھیوں نے؟

ان کو تو خط اعتماد دے کر مسلمانوں سے گفتگو کرنے کو بھیجا دوران گفتگو ہی میں ستیاگرہ شروع کر دی۔ اس طرح اگر کوئی مفاہمت ہو بھی جاتی تو اسے نافذالعمل کرنے کی ذمہ داری کون لیتا۔ اختلاف نواب بہادر یار جنگ بہادر اور مسٹر نرسنگراؤ کے مابین کوئی ذاتی تو نہ تھا۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر جس طرح اس کے ذمہ دار تھے کہ مسلمانوں سے راضی نامہ کی پابندی کرائیں۔ کیا مسٹر نرسنگراؤ بھی اپنی جماعت سے اس کی پابندی کرانے کی ذمہ داری لے سکتے تھے۔ ؟ اس کا جواب انکی جماعت کے افراد کی ستیاگرہ ہے۔

دستوری اصلاحات

مجلس اتحاد المسلمین کی پچھلی سہ سالہ زندگی کا سب سے اہم واقعہ دولت آصفیہ کے دستوری اصلاحات کا اعلان اور اس پر مجلس کا کامیاب احتجاج ہے یہ وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس پر مجلس بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ اس نے اس ہنگامے میں مسلمانوں کی صحیح رہبری کی حکومت کو مخلصانہ اور مفید مشورے دیئے۔ اور مسلمانان دکن کو جمہوریت کے ہیبت ناک دیو کا لقمہ تر بن جانے سے بچا لیا۔ اصلاحات کو سمجھنے کے لئے پہلے اس ماحول کو سمجھ لیجئے جس میں ان اصلاحات کی صورت گری ہوئی ہے۔

حیدرآباد میں شاہی قایم ہے اور تمام اقتدار کا سر رشتہ فرمانروا

کی ذات سمجھی جاتی ہے۔ مسلمان فاتح ہونے کی وجہ سے سیاسی و تمدنی اقتدار رکھتے ہیں۔ اور تاج و تخت آصفی ان کے اس اقتدار کا مظہر ہے۔ تمام ملازمین سرکار چپراسی سے لیکر صدر اعظم تک بالواسطہ یا بلا واسطہ صاحب تخت و تاج کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ اسے اپنی سلطنت میں غیر محدود اور کامل اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ سارے افراد رعیت اس کی اطاعت کرتے ہیں اور تمام ہیئت حکومت اس کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ اور وہ خود صرف اپنے خدا کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔

پچھلے چھ سو سال دکن میں مسلمان بادشاہ حکمرانی کر رہے ہیں۔ اور وہ فرض انجام دیا جا رہا ہے جو بادشاہ کے ذمہ ہوتا ہے۔ حکومت کے تین اہم اجزا، مقننہ، عدلیہ۔ اور عاملہ میں سے مقننہ کی طاقت اپنے ہاتھ میں لینے کا تصور تو نعوذ باللہ کوئی صحیح العقیدہ مسلمان کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کے کلیات کی ترتیب خود خالق ارض و سما نے کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عمل کرا کے دنیا کو دیدیا گیا۔ باقی دونوں اجزا یعنی عدلیہ و عاملہ سے متعلق تمام اختیارات بادشاہوں کو حاصل رہے ہیں۔ بادشاہ اپنے ان اختیارات کو استعمال کرنے کے لئے اپنی منشا، و صوابدید سے قابل افراد کو مشورہ کیلئے مقرر کر لیتا تھا۔ اور قانون اسلامی کی تعبیر جزئیات پر ان کی تطبیق کے لئے عموماً اہل علم کی ایک چھوٹی

سی جماعت دربار میں رہتی تھی۔ یہ یقیناً ایک حقیقت ہے اور نہایت دردناک حقیقت کہ جزیرہ نمائے ہند پر جس میں سطح مرتفع دکن بھی شامل ہے۔ اب تک ایک دن کے لئے بھی اسلامی قوانین پوری طرح نافذ نہیں ہوئے۔ لیکن اس میں فرمان راؤں کی خود غرضی سے کم مسلمانوں کی بے حسی کا قصور نہیں، یہ اگر اجتماعی طور پر اس کے لئے جدوجہد کرتے تو کوئی وجہ نہیں کہ ناکام رہتے۔

بہر حال دولت آصفیہ مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت مغلیہ کی یادگار ہے۔ تخت و تاج آصفی کا وارث قانونی طور پر اسی اقتدار کا حامل ہوتا ہے جو تخت طاؤس پر جلوس فرمانے والے شاہ جہاں اور سجادہ پر نشست فرمانے والے عالمگیر اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ کو حاصل تھا۔ حکومت کے دستور سے تمام حیدرآبادی ہندو مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی اور پارسی خوش تھے، اور خوش ہیں، حیدرآباد میں بسنے والوں کو اس آئینی حکمرانی کے خلاف حقیقتاً کوئی شکایت نہ تھی۔ اس لئے دستور حکومت کی تبدیلی کا کوئی تصور پیدا ہی نہ ہو سکا۔

جمہوریت کا دیو

ہندوستانی دماغوں پر ان کے آقا انگریزوں کا اور حیدرآباد پر ہندوستانی دماغوں کا اثر پڑنے لگا۔ حیدرآباد کی غیر مسلم آبادی

میں سے اگر اچھوتوں کو الگ کر دیجیے جو عملاً سب سے الگ ہی ہیں

تو ہندوؤں کی تعداد ۲۵ فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن انہوں

نے جو دیکھا کہ ہندوستان کی دستوری تبدیلیوں سے ملک کا

اقتدار آہستہ آہستہ مٹھی بھر برہمنوں، اور خون چوسنے والے چند

بنیوں کے ہاتھ آرہا ہے تو ان میں چند اصحاب کے منہ

میں پانی آگیا۔ اور انہوں نے دستوری اصلاحات کا مطالبہ

شروع کیا۔ افسوس! ان اصحاب نے یہ نہیں سوچا کہ اگر کسی جگہ

نظم ونسق کی خامی نظر آتی ہے تو نظم ونسق کی درستگی اس کا صحیح علاج

ہے نہ کہ دستور کی تبدیلی۔ ہندو یہاں ہندوستان کے برطانوی صوبجات سے زیادہ

اچھی حالت میں ہیں ہر طرح کی راحت انھیں حاصل ہے

اس کا خود انھیں بھی اقرار ہے۔ لیکن وہی جذبہ کام کر رہا ہے

جو اقتدار کو ہاتھ میں لینے کے لئے اعلیٰ طبقہ کی ہندوؤں میں جزیرہ نمائے

ہند کے دوسرے اجزاء میں پایا جاتا ہے۔

بہر حال ان کے اس مطالبہ سے متاثر ہو کر یا خود اپنی رائے

سے حکومت سرکار عالی نے دستوری اصلاحات کا خاکہ تیار کرنے

کیلئے ایک کمیٹی مقرر کر دی۔ اس کمیٹی کے صدر جناب آر موو آئینگار

ایک مشہور بیرسٹر تھے۔ ان میں مسلمان اور ہندو ارکان شامل

کئے گئے۔ بد قسمتی سے جو مسلمان ارکان اس میں شریک کئے

گئے انھیں مسلمانان دکن میں سے کسی طبقہ کا اعتماد حاصل نہ تھا،

اور نہ وہ خود ایسی کوئی ذمہ داری لے سکتے تھے کہ کمیٹی میں وہ جو رائے دیں گے وہ مسلمانانِ دکن کی اجتماعی رائے کے ماتحت ہوگی۔ ایسی صورت میں نتیجہ جو نکل سکتا تھا وہ ظاہر ہے، عامۃ المسلمین میں بڑی بے چینی پھیل گئی۔ مسلمان بری طرح گھبرا گئے انھیں نظر آنے لگا کہ ان کے مستقبل کو تاریک کرنے کی جو سازش کی جا رہی ہے اس کا مقابلہ کرنے میں حکومت سرکارِ عالی نے دانائی سے کام نہ لیا۔ انھیں خطرہ پیدا ہو گیا کہ اب تک وہ جس حیثیت سے دکن میں زندگی بسر کر رہے تھے، آئندہ یہاں اس حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکیں گے۔

یہ وہ وقت تھا کہ ہندوستان کے اکثر صوبوں میں کانگریسی حکومت کی طرف سے مسلمانوں پر مصیبت کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے حیدرآباد کے خلاف آریہ سماجی ستیا گرہ پورے زور و شور سے جاری تھی، واردھا، ناگپور، اور پونہ سے برابر حملہ کیا جا رہا تھا اور حد تو یہ ہے کہ سی۔ پی کی قانون ساز اسمبلی کے صدر اس ستیا گرہ میں شریک بلکہ آرین لیگ کے صدر تھے۔ اس طرح ان صوبوں کے سرکاری نشے حیدرآباد کی مخالفت کر رہے تھے۔ دوسری طرف انگریزوں اور کانگریس کی ملی بھگت نے حیدرآباد کے خلاف اس شورش کو تقویت پہنچائی حتی کہ جب دہلی کی مرکزی اسمبلی میں حیدرآباد ستیا گرہ کے متعلق ایک سوال کی اجازت چاہی گئی تو ہز ایکسلنسی والسرائے نے اس کی اجازت بھی نہ دی۔

فرقہ وارانہ مقاصد کے حصول میں یہ غیر آئینی جد وجہد اور اس کے مقابلہ میں حکومت کا سکوت بے محل ایک ایسا اشتعال تھا جس نے مسلمانوں کے جذبات کو ناگوار حد تک برانگیختہ کر دیا فرقہ وارانہ فسادات کی ہماہمی نے اس مجاہد قوم کے افراد کو بھولا ہوا درس جہاد یاد دلایا۔ ان ہی فرقہ وارانہ فسادات میں قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کے دو نوجوان عزیز شہید ہوئے۔ اس حادثہ نے مسلمانان حیدرآباد اور خصوصاً افغانوں میں انتقام کی آگ بھڑکا دی مگر اس وقت مجلس اتحاد المسلمین کے حکم کا بے چینی کیساتھ انتظار کیا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کے غم وغصہ کو قابو میں رکھنے کی کوشش نہ کرتی اور نواب بہادر یار جنگ بہادر افغانوں کو بر وقت سنبھال نہ لیتے تو شاید حیدرآباد کی زمین میں خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ مگر نواب صاحب موصوف نے حکومت کی قیام امن میں بروقت امداد کی۔ اس کا اعتراف حکومت نے بھی اپنے ابلاغیہ میں کیا ہے

یہ تھی وہ صورت حال جس میں حالیہ اصلاحات کا نقشہ تیار ہو رہا تھا۔ کوئی منصف مزاج کہہ دے کہ اگر مسلمانوں نے اس اصلاحات سے بنیادی طور پر اختلاف کیا تو کیا انھیں مورد الزام بنایا جا سکتا ہے؟ انہوں نے بار بار کہا کہ اصلاحات کی ضرورت نہیں اور اگر ضرورت ہو بھی تو بالفعل اس کا اعلان دانائی نہ ہوگی۔ مسلمانوں نے بار بار اس کا اعادہ کیا مگر حکومت نے جو کمیٹی مقرر کی تھی۔ اس کا کام جاری

رہا۔ مسلمانوں کی طرف سے ایک بار نہیں بار بار یہ جتایا گیا کہ اس کمیٹی میں مسلمانوں کی نمائندگی نہیں۔ لیکن شنوائی نہیں ہوئی۔ تو مجبوراً مجلس اتحاد المسلمین نے یہ طے کیا کہ آئندہ دستور میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے جد و جہد کرے۔ ۱۳۴۷ف میں مجلس نے دیکھا کہ حکومت خود بھی محض مجوزہ تبدیلی آئین کے طریقوں پر غور کر رہی ہے تو مجلس اتحاد المسلمین نے اپنی طرف سے چند مفید تجاویز پیش کیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

مسلم جماعت کسی آئینی رد و بدل کی حامی اور پارلیمنٹری طریقہ حکمرانی کی مؤید نہیں ہو سکتی مگر نظم و نسق کی اصلاح ضروری ہے کیونکہ مقصود بذات اچھی حکومت ہے اس کے لئے انھوں نے یہ تجاویز پیش کیں کہ عامہ رعایا کے حالات معلوم کرنے اور حکومت تک ان کی آواز موثر طریقہ پر پہنچانے کے لئے صوبہ داروں کی صدارت میں سالانہ کانفرنسیں منعقد کی جایا کریں اور صدرالمہامان کے ساتھ غیر سرکاری ارکان کی کمیٹیاں مقرر کر دی جائیں تاکہ وہ تمام سررشتہ جات کے نظم و نسق میں عوام کی اور آزادی کی روشنی میں صدرالمہاموں کو مشورہ دے سکیں۔

اس کے بعد مجلس اپنے تنظیمی و تعمیری کاموں میں مشغول رہی اور ادھر آئینی کمیٹی اپنا کام کرتی رہی۔ وقتاً فوقتاً حکومت کو شورش کے دبانے اور نظم و نسق سے متعلق مخلصانہ و مفید مشورہ دینے سے

مجلس اتحاد المسلمین نے کبھی دریغ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ آئینگار کمیٹی نے اپنی سفارشات حکومت کے سامنے پیش کر دیں آئینگار کمیٹی کے تقرر کے بعد ہی ملک کی فضا بے اعتمادی شکوک اور شبہات سے مملو ہو چکی تھی جد و جہد کی فرقہ وارانہ گرمجوشی نے ہر طبقہ میں حکومت کی طرف سے اندیشے پیدا کر دئیے تھے، اور خصوصیت سے مجلس اتحاد المسلمین کے شبہات کو تقویت اس طرح پہنچی کہ حکومت نے اصلاحات کی تدوین سے قبل کمیٹی کی سفارشات کو شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے مسلمانوں کو یہ گمان کرنے کیلئے تمام وجوہ موجود تھے کہ مجوزہ اصلاحات میں ان کے مفاد کو یقیناً نقصان پہنچایا گیا ہے۔

مجلس اتحاد المسلمین نے اپنے اجلاس مورخہ ۱۳؍ اردی بہشت ۱۳۴۸ف میں اعلان اصلاحات کے التوا کی تجویز منظور کی جو حسب ذیل ہے۔

''حکومت سرکار عالی نے بتاریخ ۱۰؍ اردی بہشت ۱۳۴۸ف اعلامیہ شائع کیا ہے کہ وہ آخر ماہ خورداد ۱۳۴۸ف تک مجلس وضع قوانین کی توسیع اور مقامی حکومت خود اختیاری اور مختلف قسم کے قواعد و ضوابط کے متعلق ایک جامع اعلان شائع کریگی۔ اس اعلامیہ کے اثر سے یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ شاید گورنمنٹ نے معاملہ کو آخری حد تک طے

کرلیا ہے اور نیز قبل اس کے کہ رائے عامہ کو حاصل کیا
جائے ایک نہایت اہم فیصلہ پر آمادہ ہو گئی جو باہمی
فرقہ وارانہ کشمکش کا باعث ہوگا۔ اگرچہ کہ اعلامیہ کے
پر احتیاط الفاظ کا مقصود یہی ہو سکتا ہے کہ فی الحال
گورنمنٹ صرف مسودات پیش شدہ کے مدنظر ایک ایسا
عام اعلان کرنا چاہتی ہے جو پبلک کو آئندہ اصلاحات
کے متعلق کھلے دل سے رائے دینے کا موقع عطا کریگا
اگر یہ صحیح ہے تو صدر مجلس اتحاد المسلمین اس کا خیر مقدم
کرے گی ورنہ صورت اول کے لحاظ سے صدر مجلس اتحاد المسلمین
کی پوری غور و خوض کے بعد یہ رائے ہے کہ اصلاحات
سے متعلق حکومت کے یہ عاجلانہ نفاذ کے ارادے بدیں
وجوہ نامناسب اور قبل از وقت ہیں کہ بدقسمتی سے اس
وقت ملک میں جو فضا پیدا کر دی گئی ہے وہ کسی طرح
کشادہ دلی کے ساتھ اصلاحات کا استقبال کرنے
کیلئے سازگار نہیں ہے۔ اور اصلاحات کی نوعیت خواہ
کچھ ہی ہو کوئی طبقہ ان سے مطمئن نہ ہوگا۔ اور ملک کی موجودہ
بدامنی اور بے اطمینانی میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔
نیز اصلاحات کے سلسلہ میں غالباً حکومت کے پیش
نظر آئینگار کمیشن کی سفارشات ہیں اور اس کمیشن کی سفارشات

سے متعلق مجلس کی یہ قطعی رائے ہے کہ تاوقتیکہ مسلم طبقہ
کے ذمہ دار اشخاص اور حقیقی نمایندوں کو ان پر غور
اور اظہار خیال کا موقع نہ ملے اور وہ مطمئن نہ ہو جائیں
کہ مسلم طبقہ کے حقوق کا کاملاً تحفظ ہو چکا ہے۔ ان سفارشات
کو مسئلہ اصلاحات کی بنیاد قرار دینا نہایت خطرناک ہوگا
اس وجہ سے کہ آئندہ کار کمیشن کی ترکیب اور اس کے طریقہ کار
سے متعلق مجلس کو یقین ہے کہ کمیشن اس مسئلہ میں حکومت
کے سامنے کافی مواد بہم نہ پہونچ سکا تھا۔ اس کے علاوہ
حکومت بھی اہل ملک کے حقیقی جذبات و خیالات سے
کماحقہ واقف ہونے کے بغیر اصلاحات کے متعلق تصفیہ
کر رہی ہے اس لئے مجلس تحفظ المسلمین مطالبہ کرتی ہے کہ
اصلاحات کے نفاذ سے متعلق ہونیوالے اعلان کو ملتوی
کر دیا جائے۔

مسلمانوں کی اس متفقہ آواز کے باوجود حکومت کی روش اعلان
اصلاحات اور مسلم مطالبات کے متعلق حد درجہ غیر اطمینان بخش
رہی۔ اس وقت مجلس نے مسلمانوں کی بے اطمینانی ظاہر کرنے کے لئے
جماعتی مظاہرہ کا فیصلہ کر لیا لیکن حکومت نے فوراً ایک مبہم سا اعلان
کر دیا جس میں ملک کے اہم طبقات کے حقوق، مفاد اور امتیازات
کے تحفظ کا یقین دلا دیا گیا تھا مسلمانوں کی بے چینی اس قدر بڑھی ہوئی

تھی کہ وہ حکومت کی ایسی یقین آفرینی سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔
لیکن مجلس اتحاد المسلمین نے تلخی پیدا ہونے سے بچا لیا۔ اور مسلمانوں
کو مظاہرے سے باز رکھا۔

اس کے بعد مجلس اتحاد المسلمین نے ۱۹ ار دی بہشت ۱۳۴۸ف
کو ایک وفد جو ممتاز ارکان عاملہ پر مشتمل تھا۔ عالیجناب صدر اعظم بہادر
کی خدمت میں بھیجا۔ اس وفد نے وہ تاریخی یادداشت پیش کی جو
آپ یادداشت متعلقہ اصلاحات کے عنوان سے اس کتاب کے
آخری حصہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اس یادداشت کے منظور کرانے کے لئے مجلس نے اپنی تمام توانائیاں
وقف کر دیں۔ اور لسان الامت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے اپنی
غیر معمولی صلاحیت اور انتہائی خلوص سے اس قدر عمدہ طریقہ پر حق
ترجمانی ادا کیا کہ دکن کی تاریخ میں اسے سنہرے حروف سے لکھا جائیگا
نواب صاحب نے مختلف مواقع پر عوام کو بھی اس یادداشت کی تفصیلات
سے روشناس کرایا۔ مولوی ابوالحسن سید علی صاحب اڈوکیٹ نے
پوری قوم کی طرف سے اڈوکیٹ ہونیکا فرض انجام دیا۔ اور دوسرے
ارکان نے بھی عامۃ المسلمین میں سیاسی شعور پیدا کرنیکی کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی

اعلان اصلاحات

۱۲۔ شہریور ۴۸ف کو ان اصلاحات کا اعلان ہوگیا۔ جس میں اگرچہ

ذمہ دارانہ حکومت عطا نہ کی گئی تھی لیکن ایسی دستوری حکومت کی اساس قایم کرنے میں ممد و معاون ضرور تھیں جس سے کامل ذمہ دارانہ حکومت کا خیال پرورش پا سکے ۔ ان اصلاحات کا خلاصہ حسب ذیل ہے ۔

(۱) موازنہ شاہی پر بحث و مباحثہ، تنقید اور ضمنی سوالات کی دستوری اجازت عوام کو دیدی گئی ۔

(۲) مسلمانوں کے مطالبہ کے مطابق صرف نظم و نسق میں تبدیلی کی بجائے، تجاویز اصلاحات نے مسلم اقتدار کو جو آزاد بادشاہت کے تحت فرمان روا کی ذات میں مرتکز تھا ۔ عوام کے اقتدار اعلیٰ میں منتقل کر دیا گیا ۔ اور بادشاہ کو اس کا نمایندہ قرار دیا گیا ۔ یہ چیز مملکت آصفیہ کے قدیم اور روایاتی دستوری اساس میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مترادف تھا ۔

(۳) ان تجاویز میں مسلمانوں کے لئے مطلوبہ آئینی اکثریت تو کجا آئینی مساوات کا بھی امکان بھی نہ تھا ۔

(۴) انتخاب مخلوط اور مفاد کی بنیادوں پر قایم کیا گیا تھا، اور کوئی ایسی صورت نہیں رکھی گئی تھی ۔ کہ ہر قوم کا نمایندہ اپنی قوم کی طرف سے منتخب شدہ سمجھا جا سکے ۔

(۵) مجلس مقننہ کی ہیئت ترکیبی حسب ذیل تھی ۔

ف ا نشستوں کی جملہ تعداد بشمول (۱) ارکان باب حکومت (۲) نمایندگان

صرف خاص مبارک (۳) اراکین نامزد شدہ (ا) سرکاری (ب) غیر سرکاری (۴) اراکین نامزد شدہ مختلف علاقہ جات (ا) پائگاہ (ب) پیشکاری (ج) علاقہ سالار جنگ اور (۵) اراکین منتخب شدہ مجلس مقننہ جملہ (۸۵) اراکین پر مشتمل ہوگی جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

	تعداد
(۱) معزز اراکین باب حکومت	(۷)
(۲) اراکین صرفِ خاص مبارک	(۳)
(۳) اراکین نامزد شدہ	(۲۸)
(۴) اراکین علاقہ جات	(۵)
(۵) اراکین منتخب شدہ	(۴۲)
جملہ	(۸۵)

۲ منتخب شدہ و نامزد شدہ اراکین کی تفصیل :-

(ل) منتخب شدہ اراکین کی تفصیل	تعداد
(۱) والیان سمستان و جاگیرداران	(۴)
(۲) معاشداران	(۲)
(۳) زراعت پیشہ	(۱۶)

(ا) پٹہ داران ...... (۸)
(ب) کاشتکاران .... (۸)

(۴) مزدوری پیشہ مفادات۵۸ (۲)

(۵) صنعت وحرفت (۲)

(۶) تجارت (۲)

(۷) بنیکاری (۳)

(۸) پیشہ وکالت (۲)

(۹) پیشۂ طبابت (۲)

(۱۰) طیلسانین (۲)

(۱۱) مجالس اضلاع (۳)

(۱۲) اضلاع کی بلدیات یا قصباتی کمیٹیاں (۲)

(۱۳) بلدیہ حیدرآباد (۲)

جملہ تعداد (۳۲)

(ب) نامزد شدہ اراکین کی تفصیل۔

(۱) اراکین سرکاری (۱۴)

(۲) اراکین غیر سرکاری (۱۴)

جملہ (۲۸)

(۱) اراکین سرکاری کے متعلق کوئی خاص صراحت موجود نہیں ہے البتہ یہ حق حکومت نے محفوظ رکھا ہے کہ وہ سرکاری اراکین میں ردوبدل کرسکتی ہے تاکہ جب کوئی خاص معاملہ زیر بحث آئے تو عہدہ داران متعلقہ نامزد

کئے جا سکیں نیز ان ہی چودہ میں سے ایک رکن جس کا سرکاری ہونا لازمی نہیں ہے جامعہ کی نمایندگی کے لئے مجلس رفقار جامعہ سے ہمیشہ نامزد کیا جائے گا۔

(۳) نامزد شدہ غیر سرکاری اراکین کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ہندو ارکان ہریجن		(۵)
(۲) لنگایت		(۱)
(۳) عیسائی	(کم از کم)	(۲)
(ا) اینگلو انڈین ۔ ۱		
(ب) کرسچین ۔ ۱		
(۴) پارسی		(۱)
(۵) خواتین	(کم از کم)	(۲)
جملہ		(۱۱)

نوٹ :۔ بقیہ تین نشستوں کا کوئی تعین نہیں کیا گیا غالباً وہ لوگ ان نشستوں کو پر کریں گے جن کا تعلق ایسے مفادات سے ہے جن کو کسی اور طرح نمایندگی حاصل نہ ہوتی ہو۔ مثلاً"

(۱) ارباب صحافت

(۲) گتہ داران ۔

(۳) دونوں بڑے فرقوں سے بعض مخصوص مفادات ۔

(ج) اراکین علاقہ جات کی تفصیل :۔

(۱) ہر سہ پائیگاہ	(۳)
(۲) علاقہ پیشکاری	(۱)
(۳) علاقۂ سالار جنگ	(۱)
جملہ	(۵)

نوٹ:- صاحبان علاقہ جات اپنے علاقوں کی نمایندگی بذات خود کر سکتے ہیں یا کسی اپنے ہم قوم کو جو اُن کا صلبی وارث ہو بھیج سکتے ہیں۔ صاحب علاقہ کے نابالغ یا فاترالعقل ہونے کی صورت میں سرکار عالی خود کسی نمایندہ کو نامزد کریگی۔

۳- ہندو مسلم نشستوں کی تعداد

(۱) منتخب شدہ گروپ میں

(۲) نامزد شدہ گروپ میں

(۳) گروپ علاقہ جات میں

(۱) منتخب شدہ اراکین کی جملہ تعداد ۴۲ ہے [illegible]
لہذا ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ان نشستوں میں (۲۱) مسلمانوں کو ملیں گے اور نصف (۲۱) ہندوؤں کو۔

(۲) نامزد شدہ اراکین دو اجزا پر مشتمل ہیں۔

(ا) سرکاری اراکین

(ب) غیر سرکاری اراکین۔

(۱) سرکاری ارکین (۱۴۸) ہیں لیکن اس بلاک میں صرف ایک نشست کا تعین کیا گیا ہے بقیہ نشستوں کا کوئی تعین نہیں کیا گیا۔

(ب) غیر سرکاری ارکین میں سے ایک نشست پارسی کے لئے محفوظ کی گئی ہے۔ دو نشستیں عیسائیوں کے لئے لہذا یہ تین نشستیں خارج از بحث ہیں۔ بقیہ (۱۱) کی تقسیم اس طرح ہوئی ہے کہ ہندو ارکان ہریجن کو (۵) نشستیں دی گئی ہیں۔ اور لنگایت کو (۱) عورتوں کو (۲) اور بقیہ تین ارباب صحافت، گتہ دار، اور مخصوص مفادات کے لئے محفوظ کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ وقت ضرورت ان ہی تین نشستوں میں سے عیسائیوں اور عورتوں کو بھی مزید ایک دو نشستیں دی جاسکیں گی (لفظ کم از کم نے اس کا امکان پیدا کر دیا ہے) بہر نوع اگر یہ تین نشستیں گتہ دار ارباب صحافت اور مخصوص مفادات کو بھی دی گئیں تو اس کا یقین نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کو ان تین نشستوں میں سے کتنی حاصل ہوں گی اور ہندوؤں کو کتنی۔

(۳) علاقہ جات کی تفصیل یہ ہے:—

(۱) ہر سہ پائیگاہ (۳)

(۲) علاقہ پنچکاری (۱)

(۳) علاقہ سالار جنگ (۱)

چونکہ صاحبان علاقہ کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ وہ یا تو خود مقننہ میں آئیں اور یا اپنے کسی ہم قوم اور عزیز کو شخصین نامزد کریں

اس گروپ میں چار نشستیں مسلمانوں کو ملتی ہیں۔ اور ایک نشست ہندو کو اصلاحات کا نفاذ دنیا کے کسی ملک کے لئے نفرت و بے چینی پیدا کرنے کا باعث نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ اصلاحات ملک کی حالت کے بالکل مطابق ہوں۔ جس ملک میں مختلف قومیں بستی ہوں۔ اور ایک دوسرے سے سرزمین کے علاوہ تہذیب ثقافت اور زندگی کے ہر معاملہ میں شدید اختلاف رکھتی ہوں۔ وہاں مشترکہ پارلیمان اس طور پر تعمیر کرنا جس میں دوامی اقلیت واکثریت پیدا ہو جائے۔ یقیناً ایک کی بے چینی اور دوسرے کی خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگا۔

مجلس اتحاد المسلمین کا احتجاج

یہی ہوا دکن میں مہا سبھائیوں میں یقیناً ان اصلاحات سے خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی ہوگی مگر مسلمانوں میں تو اتنی سخت بے چینی پیدا ہو گئی کہ ہزارہا انسانوں کا مجمع بیت الامت پر مجلس اتحاد المسلمین کا فیصلہ سننے اور اس کی تعمیل کرنے کے لئے جمع ہو گیا۔ کئی روز تک مظاہرے ہوتے رہے۔ جلوس نکلے پولیس کی سختیاں سہی گئیں۔ اور وہ سب کچھ ہوا جو انتہائی نفرت اور بے چینی کے مظاہر کہے جا سکتے ہیں۔ معاملہ بہت زیادہ طول کھینچتا مگر نواب بہادر یار جنگ بہادر نے مسلمانوں کو مجلس اتحاد المسلمین

کے فیصلہ تک انتظار کرنے پر راضی کر لیا ۔ یہ نظم ضبط کا اتنا بڑا مظاہرہ تھا کہ جس کی قوت سے مخالفین کانپ اٹھے ۔ آخر کامل غور و فکر کے بعد مجلس نے اپنا فیصلہ اس بے چین مجمع کو سنایا جو دفتر کے گرد انتظار کر رہا تھا ۔ فیصلہ یہ تھا ۔

"ان اصلاحات کو مجلس اتحاد المسلمین ملک کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً مضر اور غیر اطمینان بخش تصور کرتی ہے ۔"

اس کے بعد مجلس اتحاد المسلمین کی طرف سے ایسی ترمیمات مرتب کر کے حکومت کے سامنے پیش کی گئیں جن سے مسلمانوں کے حقوق و امتیازات کا تحفظ یقینی ہو جائے ۔ اس کے ساتھ مجلس نے تعین تاریخ حکومت سے عرض کر دیا کہ اگر اس مدت میں مسلمانوں کے یہ مطالبات منظور نہ کئے گئے تو وہ "راست عمل" (DIRECT ACTION) شروع کر دے گی ۔ دوسری طرف مجلس نے عوام کو اصلاحات سے اچھی طرح با خبر کرنے کے لئے تشریح اصلاحات کے جلسے منعقد کئے نواب بہادر یار جنگ بہادر نے کئی نشستوں میں ہزار ہا انسانوں کے سامنے ان اصلاحات کی تشریح کی اس قدر عمدگی کے ساتھ یہ تعلیمی فریضہ انجام دیا گیا کہ ان اصلاحات کے مضر اثرات کا تفصیلی شعور عامۃ المسلمین میں پیدا ہو گیا ۔

کامیابی "راست عمل" کیلئے مجلس نے ساری تیاریاں مکمل

کر لی یقین اور شاید وہ دردناک وقت دور نہ تھا کہ مسلمان جو دکن کی حکومت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں خود حکومت کے خلاف صف آرا نظر آئیں لیکن حکومت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کو تکلیف دی گئی کہ وہ اس گتھی کو سلجھائیں چنانچہ قائداعظم تشریف لائے اور کئی دن تک مجلس اتحادالمسلمین اور حکومت کے ارباب حل وعقد سے گفتگو فرماکر اس مسئلہ کو اس طرح سلجھادیا کہ حکومت نے دستور میں ایسی ترمیمات منظور کر لیں جن سے مسلمانوں کے حقوق و امتیازات کا تحفظ یقینی ہوگیا۔

مجلس اتحادالمسلمین کی یہ خدمت اتنی بڑی خدمت ہے کہ سیاسی تنظیموں کی تاریخ میں عدیم المثال کہی جاسکتی ہے۔ اور حکومت کی طرف سے غلطی کا احساس اور دانشمندی کے ساتھ اس غلطی کا ازالہ اتنا شاندار کارنامہ ہے کہ اس پر حکومت ناز کرسکتی ہے۔

جنگ

اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد جنگ شروع ہوگئی اور حکومت سرکارعالی نے حالات کا صحیح اندازہ فرماکر اصلاحات کے نفاذ کو ملتوی کردیا۔ جنگ کے جو اثرات حیدرآباد پر پڑتے ہیں۔ وہ ناقابل انکار ہیں، مجلس اتحادالمسلمین نے جس کی تمام تر ہمدردیاں دولت برطانیہ کے ساتھ ہیں۔ اور جو چاہتی ہے کہ موجودہ جنگ میں دولت برطانیہ

کی حیدرآباد سے زیادہ موثر امداد کی جائے، اور ایسی مدد کیجائے جو ہر طرح مملکت آصفیہ اسلامیہ کے شایان شان ہو۔ وہ یادداشت حکومت سرکار عالی کے سامنے پیش کی جو آپ اس مجموعہ کے آخری حصہ میں دیکھتے ہیں۔

تنظیم

مجلس اتحادالمسلمین نے میدان عمل میں اترنے کے بعد سب سے زیادہ توجہ جس چیز کی طرف کی وہ تنظیم تھی۔ ظاہر ہے کہ جب تک مقصد مشترک کا احساس اور مضبوط تنظیم افراد ملت میں پیدا نہ ہو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اس مقصد کیلئے ارکان مجلس اتحادالمسلمین نے عموماً اور نواب بہادر یار جنگ بہادر و مولوی ابوالحسن سید علیصاحب ایڈوکیٹ نے خصوصاً ممالک محروسہ سرکار عالی کے چپہ چپہ کے متعدد مرتبہ دورے کئے عوام میں سیاسی شعور کو پیدا کرنے کے لئے سیکڑوں تقریریں کیں اور مجلس کی طرف سے متعدد رسائل اور نشریات کے ذریعہ عوام کو حالات و وقائع سے باخبر کیا گیا۔ اس طرح مجلس نے تنظیم کی وہ خدمت انجام دی جو اس تھوڑی سی مدت کو دیکھتے ہوئے یقیناً بڑی حیرت انگیز ہے۔

جلسہ دارالسلام ان قائدین قوم کی کوششیں ملت کو بیدار کرنے میں کس قدر کامیاب ہوئیں۔ ان تقریروں

اور تحریروں نے کس طرح میحائی کا کام کیا۔ اس کی سب سے بڑی شہادت مسلمانان دکن کا وہ عظیم الشان اجتماع ہے جو ۱۲ ھر ذی الحجۃ الحرام ۱۳۵۸ھ کو بمقام دارالسلام حیدرآباد ہوا۔ یہ اجتماع دکن کی تاریخ میں سب سے بڑا جلسہ تھا، اگرچہ داخلہ بذریعہ ٹکٹ رکھا گیا تھا مگر ممالک محروسہ سرکار عالی کے ہر حصہ سے آنے والے کم از کم ستر ہزار مسلمانوں کا مجمع مجلس اتحاد المسلمین کی پچھلی کارگذاری اور آئیندہ پروگرام کو سننے اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے کیلئے دارالسلام کے خوبصورت پنڈال میں جمع تھا۔

اس اجلاس کی صدارت قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے فرمائی نواب صاحب نے اس موقع پر جو خطبہ صدارت ارشاد فرمایا تھا وہ بجنسہ اس کتاب میں شریک ہے۔

دستور جدید

۱۳۵۹ھ کی ابتدا میں مجلس اتحاد المسلمین نے عوام کو مجلس کے کاروبار میں زیادہ سے زیادہ حد تک دخیل کرنے کے لئے ایک جدید دستور منظور کیا۔ جس کے ماتحت ابتدائی اور ضلع واری مجلس کو کام کرنے کی زیادہ سہولت اور آزادی میسر آنے کے علاوہ مجلس کا تعلق براہ راست عامۃ المسلمین سے ہوگیا۔ اور مجلس صحیح معنوں میں عامۃ المسلمین کی مجلس بن گئی۔

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر اس جدید دستور کے نفاذ پر سارے ملک کی طرف سے بغیر مقابلہ مجلس اتحاد المسلمین کے صدر منتخب ہوئے۔

قائد ملت۔ اور مجلس عاملہ نے تنظیم پر جیسا کہ چاہیئے تھا۔ پوری توجہ کی بلدہ اور اضلاع میں جدید دستور کے ماتحت مجالس قائم کیگئیں جو مجالس پہلے سے قائم تھیں ان کی پھر سے جدید تنظیم ہوئی۔ اس تین سال میں مجلس نے کس تیزی کیساتھ ملت کی تنظیم کی اور جزوی اختلافات سے ہٹاکر افراد ملت کو اتحاد و اتفاق کی مضبوط لڑی میں پرو دیا اس کا اندازہ آپ ذیل کے نقشہ سے کر سکتے ہیں۔

١٣٥٧ھ	میں جملہ مجالس اتحاد المسلمین کی تعداد	٥٨
١٣٥٨ھ	" " "	١٧٢
١٣٥٩ھ	" " "	٣٥٤

٨٤ ہزار مربع میل رقبہ پر پھیلی ہوئی آبادی کو جن میں زیادہ تر ان پڑھ اور دنیا ہی نہیں بلکہ اپنے دین سے ہی سلے ہیں منظم کر دینا اور اُن میں ملت کے لئے کچھ کام کرنے کی تمنا پیدا کر دینا کوئی معمولی کام نہیں۔ ارکان اتحاد المسلمین ہی کو معلوم ہوگا کہ انھیں اس کام کے کیلئے کس قدر محنت اٹھانی پڑی اور کس طرح خون پسینہ ایک کرنا پڑا ہے

عسکری نظام کوئی قوم اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتی

جب تک اس کے نوجوانوں میں عسکری جذبہ بدرجہ اتم موجود ہو مسلمانوں میں اس جذبہ کی کمی نہیں لیکن فوجی تنظیم کا فقدان ضرور تھا مجلس اتحاد المسلمین کی کوششوں سے بلدہ اور اضلاع میں متعدد ایسی جماعتیں قائم ہوئیں جو مجلس کے عسکری نظام کے تابع ہیں لیکن عام طور پر کل جماعتوں میں اور بالخصوص بلدہ کی جماعت میں اس نظم و ضبط اور اطاعت کا مادہ ابھی پیدا نہیں ہوا ہے جو فی الحقیقت ان جماعتوں کو حقیقی معنی میں فوجی نظام کہلانے کا مستحق بنائے تاہم ابتدائی حالتیں جو کچھ ہو سکا وہ قابل تحسین ہے اور یقین ہے کہ زمانہ کی ضروریات اور پیہم سعی ان جماعتوں میں نہ صرف تعدادی اضافہ کا باعث ہوگی بلکہ ان کو اعلیٰ نظم و ضبط اور کارکردگی کا بہترین نمونہ بنا دے گی مجلس اتحاد المسلمین اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہے۔

تعمیر ملت

اگرچہ کسی قوم میں سیاسی شعور کا بیدار کرنا۔ اور افراد کو موتی کی طرح ایک لڑی میں پرو کر متحد کر دینا قومی کارناموں میں سب سے بڑا کام ہے لیکن اس عظیم الشان کام کے علاوہ مجلس اتحاد المسلمین نے بہت سے دیگر تعمیری کام بھی اس تھوڑی سی مدت میں انجام دئیے سینکڑوں دار المطالعہ قایم کئے۔ ورزش جسمانی کے لئے اکھاڑے قائم کرائے، تعلیم بالغاں کا نظم کیا، چھوٹی چھوٹی تجارتوں کی طرف مسلمانوں کی متوجہ کر کے ان کی امداد کی

اور بہتوں کو کام سے لگایا۔ اور ایک پنجسالہ معاشی پروگرام مرتب کیا جو غالباً عنقریب جاری کیا جائیگا۔

تجارت مصنوعات دکن تعمیر ملت کے سلسلہ میں مجلس نے مسلم بافندگان پر خاص توجہ کی۔ یہ طبقہ باوجود دستکار ہونے کے اپنے مال کی نکاسی نہ ہونیکی وجہ سے فقر و فاقہ میں مبتلا ہے مجلس نے انکے نکاسی کیلئے حیدرآباد میں ایک دکان قایم کی ہے جس کے نمایندے اضلاع و دیہاتوں میں دورہ کرکے کاریگروں سے مال اچھے داموں پر خرید لیتے ہیں، اور انھیں حیدرآباد میں لاکر فروخت کیا جاتا ہے مجلس نے اس مال کی نکاسی کیلئے اتنے وسیع پیمانہ پر پروپگنڈا کیا کہ اب مال کا اکثر حصہ اضلاع ہی میں فروخت ہوجاتا ہے۔ اور بہت کم حصہ حیدرآباد پہنچتا ہے

مردم شماری سنہ ۱۳۶۰ھ م سنہ ۱۳۵۰ف میں سرکار عالی نے ممالک محروسہ کی جدید مردم شماری کی اور اس موقع پر مجلس اتحاد المسلمین نے ایک خاص دفتر قایم کرکے سرکار عالی کی مسلمانان دکن کی صحیح تعداد معلوم کرنے میں امداد کی۔ دیہاتوں میں مسلمان اکثر جاہل ہیں۔ وہ اپنے بچوں اور عورتوں کی تعداد کو چھپاتے ہیں۔ زبان کا نام غلط لکھوا دیتے ہیں، اور بعض جگہ عمداً غیر مسلم شمار کنندگان انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لئے سنہ ۱۳۴۰ف کی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم معلوم ہوتی تھی۔ سنہ ۱۳۵۰ف کی مردم شماری میں مجلس نے اس سلسلہ میں کام کیا۔ اور حتی الامکان صحیح تعداد اور صحیح حالات درج کرائے۔ اعداد و شمار کو جو اہمیت حاصل ہے اسکا اندازہ کرتے ہوئے مجلس اتحاد المسلمین کا یہ عمل حکومت اور عوام دونوں کیطرف سے تشکریہ کا مستحق ہے۔

خطبۂ صدارت

جو جناب مولوی ابوالحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ نے
مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ کے سالانہ جلسہ منعقدہ
۳؍ شوال ۱۳۵۷ھ میں بمقام بلدہ حیدرآباد بحیثیت صدر پڑھا۔

حضرات! مجلس اتحاد المسلمین کے جیسے وسیع سالانہ جلسہ کی صدارت کے لئے بھی کسی ایسی وسیع شخصیت کی ضرورت تھی جو عامۂ مسلمین کی قیادت کے اہم فریضہ کو بوجوہ احسن انجام دے سکتا اور آپ حضرات میں ایسی شخصیتوں کی کمی نہیں۔ من آنم کہ من میدانم۔ بغیر کسی رسمی پابندیوں کے میں جماعت کے حکم کی تعمیل میں آج یہاں حاضر ہوں اور متوقع ہوں کہ میری کمزوریوں کو بنظر عفو ملاحظہ اور اگر میں کوئی تجویز پسندیدہ اور قابل عمل پیش کر سکوں تو اس پر عمل فرمایا جائیگا۔

تحریری خطبۂ صدارت کا حکم مجھے ایسے تنگ وقت میں ملا کہ میں اپنے خیالات کو بہتر صورت میں اور کافی ترتیب کے ساتھ قلمبند نہ کر سکا۔ ویسے بھی میں کوئی علمی و ادبی شاہکار پیش کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ اس ضیق وقت میں جس طرح کہ میں اپنے خیالات کو ترتیب دے سکا وہ آپ حضرات کے غور و فکر کے لئے پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔

برادران ملت! ڈیڑھ سو سال کے برطانوی راج نے ہندوستان میں مغربی تصورات و تخیلات پیدا کر دئیے۔ یورپ کی سیاست اور ہندوستان میں برطانوی قوم کے اقتصادی مصالح نے انگریزی اقتدار کو کمزور اور اس اقتدار کے حصول کی کشمکش نے ہندوستان کی ہندو مسلم دو بڑی قوموں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا۔ انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہماری ملکی برادری حصول اقتدار کی خاطر اپنی اکثریت کے نشہ میں ہندو مسلمانوں کی اس دیرینہ یگانگت اور ارتباط کو بھلا بیٹھی جو آٹھ سو سال سے قائم رہا ہے قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کے تحت برطانوی ہند کے بعض صوبہ جات میں کانگریس کی کامیابی نے اس نشہ کو بدمستی سے بدل دیا ہر صوبہ میں جہاں اب کانگریس برسر اقتدار ہے مسلمان گوناگوں مشکلات میں مبتلا ہیں۔

ریاست حیدرآباد ابد قرار جو خانوادۂ آصفجاہی کے زیر نگیں دو سو سال سے اس ہیجان اور خلفشار سے مامون و مفتون تھی اب اس کی فضا چند خود غرض شہرت پسند افراد ملک اور زیادہ تر بیرونی پروپیگنڈے سے غبار آلود ہو رہی ہے۔

بھائیو! آج ہم جن حالات میں یہاں مل رہے ہیں وہ آپ پر ظاہر ہیں۔ کانگریس اپنی معلنہ پالیسی کے خلاف کہ ریاستوں کے معاملات سے اس کو کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ برطانوی ہند کی وہ جد جہد جو اجنبی حکومت کے خلاف کی جا رہی ہے ریاستوں میں ضروری نہیں۔ اب ہر ریاست کے معاملات میں راست مداخلت کر رہی ہے۔ میسور، اوندھ، راجکوٹ، ٹراونکور ان کا شکار ہو چکے ہیں اور اب حیدرآباد میں اس کی امن سوز سرگرمیاں آغاز ہو چکی ہیں۔ کانگریس اگرچہ غیر فرقہ وارانہ ادارہ ہونے کی دعویدار ہے لیکن حیدرآباد کے حالات اس کے اس دعوے کی کھلی تردید کرتے ہیں۔ حیدرآباد میں کانگریس، ہندو مہا سبھا اور آریہ سماج ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے چلتے ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ آریہ سماجی مذہبی تحریک کے پردہ میں بلدہ حیدرآباد اور اضلاع و دیہات میں جو بدامنی اور قتل و غارت کی گرم بازاری ہے وہ کانگریس کے اس دعوے کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیتی ہے کہ وہ عدم تشدد اور صداقت کی علمبردار ہے اس مختصر سے خطبہ میں میں ان حالات کو قلمبند نہیں کرنا چاہتا اگر آپ حضرات ان سے واقف ہونا چاہیں۔ اور آپ کو ان حالات سے واقف ہونا ضروری بھی ہے تو آپ کو میری اور نواب معین یار جنگ بہادر کی اس رپورٹ کو ایک بار پڑھ لینا چاہئے جو گزشتہ ماہ حیدرآباد میں سنے اور نواب صاحب موصوف نے اضلاع گنجوٹی، عثمان آباد، بیڑ وغیرہ کا تفصیلی دورہ کر کے مرتب کی ہے۔

حکومت کے اس اعلان کے باوجود کہ وہ ریاست میں سیاسی اداروں کے قیام کی مخالف نہیں ہے بشرطیکہ وہ فرقہ وارانہ نہوں۔ حیدرآباد میں

اسٹیٹ کانگریس کے نام سے ایک فرقہ وارانہ ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ کانگریس کا نام غالباً اس کو اس لئے دیا گیا کہ جو غلط فہمی کانگریس سے متعلق عوام میں ہے وہ اس کی نسبت بھی قائم ہو جائے۔ اس کے قیام میں وہ ہندو زعماء جنہوں نے اپنی ہر ملکی تحریک میں مسلمانوں سے تعاون کی خواہش کی اور مسلمانوں نے ان کی ہر جائز تحریک میں حصہ لیا اسٹیٹ کانگریس کا تذکرہ تک مسلمانوں سے نہیں کرتے اور حکومت کے اس ارادہ اور آئینگار کمیٹی کے قیام کے ساتھ عملی اقدام کے باوجود کہ ملک کے موجودہ طریقہ حکمرانی میں حالات زمانہ کے لحاظ سے ضروری ترمیم و تبدیلی ہو۔ اور مسلمانوں کی جانب سے اس کا یقین دلانے کے باوجود کہ وہ ہندو جماعت کے ساتھ ایسی تحریک میں حصہ لینے کے لئے تیار ہیں جو آئین حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ خانوادہ آصفی کے اقتدارات شاہانہ پر اثر انداز اور مسلمانوں کی معاشی تخریب کا باعث نہ ہوں ایک طرف مسلمانوں سے مفاہمت کی گفتگو کی تحریک کی جاتی ہے اور دوسری طرف ستیاہ گرہ کے نام سے ملک کی پر امن فضاء کو مکدر کیا جاتا ہے اور قوانین حکومت کی خلاف ورزی کے لئے ایسے اشخاص کو آگے بڑھایا جاتا ہے جن کے لئے گھر سے جیل بہر حال بہتر مقام ہے میں ان چار اشخاص کو اس میں شامل نہیں کرتا جو اسٹیٹ کانگریس کے پہلے جتھے میں گرفتار ہوئے لیکن انھوں نے بہ حال اپنی لیڈری کے گر سے کام لیا اور جاہل عوام کو جو طویل المدت سزائیں بھگتنے کے لئے ڈھکیلے جا رہے ہیں، یہ تبلا دیا کہ وہ بھی ان کے ساتھا ایک مہینہ کی قید بھگت کر آئے، ہندو زعماء کے ایک بہت بڑے ذی اثر طبقہ نے ج

در پردہ ہر طرح اس تحریک بدامنی کا چلانے والے ہے اپنے آپ کو بظاہر اس سے علٰحدہ رکھنا غالباً اس کی مصلحت یہ ہے کہ وہ حکومت اور ان منزاع بھگتنے والوں کو درمیان صلح کے پیغام برکا پارٹ ادا کریں۔

اسٹیٹ کانگریس کے ساتھ ستیاگرہ میں ہندو مہاسبھا شہری حقوق کی آزادی کے حصول کا مقصد لے کر اور آریہ سماج مذہبی آزادی کا نام لیکر شریک ہوگئی۔ یہ سیول لبرٹیز اور مذہبی آزادی بجز اس کے کچھ نہیں کہ مسلمانوں کی مساجد کے آگے باجہ بجائیں بانی اسلام صلعم کی شان میں یاوہ گوئی کریں۔ خاکم بدہن بادشاہ وقت کی زندگی میں ان کا ماتم کریں، افسوس ہے کہ حکومت اور محکمہ کوتوالی کی جانب سے اس بدامنی کے انسداد کے لئے جو تدابیر اختیار کئے جارہے ہیں وہ کسی طرح کافی نہیں ہیں اور مسلمان جماعت میں تشویش بڑھ رہی ہے امید کی جاتی ہے کہ حکومت جلد از جلد اس کے انسداد کی موثر تدابیر کی جانب فوری توجہ فرمائے گی۔ اور بیجا روا داری اور بے ضرورت خوف و ہراس سے متاثر نہ ہوگی۔

کانگریس کے نقش قدم پر چل کر اسٹیٹ کانگریس کی یہ کوشش کہ حیدرآباد میں ذمہ دارانہ حکومت قائم کرلے۔ نہایت غلط نظریہ پر مبنی ہے۔ برطانوی ہند میں کانگریس کو ایک اجنبی حکومت سے سابقہ تھا جس کی نسبت اس کی شکایت تھی کہ وہ اپنے اقتصادی مصالح کی بناء پر اہل ہند کو مفلس بنا رہی ہے۔ حیدرآباد کے حالات اس سے بالکل مختلف ہیں، کیا حیدرآباد کے مسلمان حکمرانوں نے اپنے آپ کو اس سرزمین سے اس

طرح وابستہ نہیں کر دیا کہ وہ اسی ملک کے ہو کر رہ گئے؟ کیا ان کے کوئی اقتصادی مصالح اہل ملک کے خلاف ہیں؟ اسی طرح کیا مسلم جماعت نے اپنے آپ کو اس ملک سے وابستہ نہیں کر دیا؟ ہماری ہندو برادری اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی کہ حیدرآباد میں جو خوش حالی، امن و آسایش مسلم حکومت کے تحت ان کو نصیب ہے وہ ہندوستان کے کسی خطہ میں ان کو حاصل نہیں۔ وہ آج محض اس اسلامی سلطنت کی تباہی کی خاطر جس نے صدیوں ان پر احسانات کئے اور ان کی معاشی مذہبی اور ثقافتی ترقی میں کسی طرح ان کی مزاحم نہیں ہوئی اپنے غلط پروپگنڈے سے یہ تبلانا چاہتے ہیں کہ وہ حیدرآباد میں مظلوم ہیں۔

ذمہ دارانہ حکومت کے پرستار حضرات تو اب بھی کانگریس کی تقلید میں برطانوی فوجی قوت ہی کے ماتحت اپنا تحفظ پاتے ہیں۔ چنانچہ بلدہ حیدرآباد کا گزشتہ ماہ خورداد کا فرقہ وارانہ فساد جو خود ان کی امن سوز کوششوں کا مظاہرہ تھا شاہد ہے کہ ادھر فساد برپا کیا اور ادھر تار اور درخواستوں سے برطانوی حکومت سے خواہش ظاہر کی کہ حیدرآباد میں گوروں کی فوج اتار دے بجز ملازمت کے جس میں بھی ایک کثیر تعداد ہنود کی موجود ہے اور اس پر آشوب زمانہ میں حکومت کا ساتھ اپنے ترک فرایض سے دے رہی ہے ملک کے تمام معاشی ذرایع زراعت۔ تجارت۔ حرفت۔ صرافی۔ بنکنگ ہندو برادری کے ہاتھوں میں ہے اور کبھی مسلمانوں نے ان اہل ملک سے معاملات کرنے سے دریغ نہیں کیا باوجود حکمران قوم ہونے کے سوشل تعلقات میں کبھی

ان کے ساتھ کوئی فرق و امتیاز کا برتاؤ نہیں کیا گیا۔ حیدرآباد کی ہندو مسلم یکجہتی ضرب المثل رہی۔ اور آج بھی اگر ہمارے بھائی ہمارا ندا ور مسٹر گوش کی ذہنیت کو الگ کر کے غیر طرفدارانہ طریقہ پر کوئی ہندو مسلم تعلقات پر نظر ڈالے تو ہندو لیڈروں کی معاندانہ طرز روش کے باوجود مسلمانوں کے قلوب میں اپنی ہندو برادری کے لیے وہ جگہ دیکھ سکتا ہے جس کی نظیر ہندوستان کے کسی حصہ میں نہیں مل سکتی۔ مگر افسوس ہے کہ اکثریت کے ذریعہ ہندو راج کا قیام کے غلط گھمنڈ میں ہماری ہندو برادری بھی کانگریس کی بدمستی سے دھوکا کھا رہی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ برطانوی ہند میں جس حربہ نے انگریزی اقتدار کو کم کیا وہی حربہ یہاں بھی کارگر ہو جائیگا۔

برطانوی ہند میں انگریزوں نے ایک حد تک اپنے اقتدار ڈیموکراٹی اصولوں کے تحت جو ہندوستانی طبائع سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے غلط اداروں کے سپرد کردیا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حقیقی اقتدار کس حد تک منتقل ہوگا یا ہوگا بھی یا نہیں۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ انگریزی قوم اپنے تجارتی و اقتصادی مفادات کے تحفظ کے ساتھ کامل اقتدار کو منتقل بھی کردے تو یہ واقعہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حیدرآباد دوسری ریاستوں سے علحدہ اپنی ممتاز و انفرادی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے برطانوی حکومت کے ساتھ معاہداتی مرتبہ رکھتا ہے یہ صحیح ہے کہ ہم نے تعامل۔ ان معاہدات کے تحت جو حقوق و اختیارات ہمیں حاصل تھے ان میں سے بعض کو استعمال نہیں کیا لیکن ہمارا یہ عمل اپنی حلیف حکومت کے ساتھ رہا ہے اور اگر

ہماری حلیف حکومت اپنے اقتدار کو باقی رکھے تو ممکن ہے کہ آئندہ بھی ہمیں اس پر اصرار نہ ہو لیکن ہماری حلیف حکومت اپنے اقتدار کو منتقل کر دینا ہی پسند کرے تو ہمارے لئے دو صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں اولاً وہ جماعت جس پر ہماری حلیف حکومت اپنا اقتدار منتقل کرے اپنے آپ کو اس کا قانونی جانشین اور قائم مقام تصور کر کے ہمارے معاہدات کا احترام کرے ایسی صورت میں ہم کو بھی اس پر اصرار نہ ہو گا کہ ہم اپنے تعلقات کو اس سے منقطع کر لیں ثانیاً اگر وہ جماعت جس پر اقتدار منتقل ہو ہمارے وجود یا حیثیت کو نہ مانے اور اس بات پر مصر ہو کہ ان معاہدات کی کوئی اخلاقی بنیاد نہیں ہے تو ہم مجبور ہوں گے کہ اپنے وجود اور حیثیت کو منوا دیں اور اپنے معاہدات کی اخلاقی بنیاد کو باقی رکھنے کے واسطے استخلاص و استقلال وطن کی تحریک شروع کریں مسلم جماعت کے اس عزم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ خواہ وہ گاندھی جی کی بے لبی کا حربہ اہمسا وستیا گرہ ہو یا کسی اور قوت کے آلات حرب۔ ایک آخری بات اپنی ہندو برادری سے میں یہ بانگ دہل یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ حیدرآباد سے باہر کی امداد پر بھروسہ کرتی ہے تو اس سے زیادہ غلط اور خام خیالی کوئی نہیں۔

مجلس اتحاد المسلمین کو فرقہ وارانہ ادارہ قرار دیا گیا ہے اور مسلم جماعت کے ایک بڑے طبقہ کو جو ملازم سرکار ہے اس کی شرکت سے منع کر دیا ہے اصطلاح "فرقہ وارانہ" کچھ عجیب چیستان بن گئی ہے، حکومت چاہتی ہے

اس اصطلاح کی تعریف کچھ ہی کرے اور اپنی دانست میں اس اصطلاح کو منطبق کرنے کے لئے کسی ادارہ کو منتخب کرے میں اس کی تعریف سے ہر ایسے ادارہ کو خارج سمجھتا ہوں جسکی غرض اصلاح و ترقی ہو۔ خواہ وہ کسی خاص جماعت کیلئے مخصوص ہی کیوں نہ ہو بجز اسکے کہ وہ کسی دوسری جماعت کی تخریب کا باعث ہو اور میں سمجھتا ہوں ہر شخص جو صحیح طور پر غور کرنے کا عادی ہو اپنے آپ کو مجھ سے متفق پائے گا۔ اس معیار پر رکھ کر اگر دیکھا جائے تو انجمن اتحاد المسلمین صرف وہ واحد غیر فرقہ وارانہ ادارہ ہے جو اپنی جماعت کی بہبودی کے لئے بے شک کام کرتا ہے لیکن جس کے پیش نظر کسی دوسری جماعت کے اغراض و مقاصد کی تخریب نہیں ہے باوجود اس کے مختص بہ مسلمین ہونے کے وہ ملک میں ہر ایسے ادارہ سے تعاون کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ ہے جس کی غرض خالصتہً ملک میں اصلاح و ترقی اور اہل ملک کی فلاح و فوز ہو۔ میں متعجب ہوں کہ ہماری حکومت نے ایسے اداروں کے ساتھ جو مسلمہ طور پر فرقہ وارانہ ہیں اور آندھرا کانفرنس کے جیسے ادارہ کو چھوڑ کر انجمن اتحاد المسلمین کو فرقہ وارانہ قرار دے دیا مجھے امید ہے کہ ہر گوشہ سے مسلمان حکومت کے اس فعل پر اپنی ناراضگی کا اظہار کریں گے۔

مسلمان بھائیو! وہ وقت اب گذر چکا جبکہ ہم حکمران قوم ہونے کے غرور میں کسی امر کی جانب متوجہ ہی نہ ہوتے تھے۔ اب وقت یہ ہے کہ اگر آپ نے فوراً حالات حاضرہ سے واقف ہو کر اپنے امراض اور کمزوریوں کا علاج نہ کیا تو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیئے جاؤ گے۔ جہانتک میں نے مسلمانوں کی زندگی کا مطالعہ کیا میں کہہ سکتا ہوں ہر مسلمان اپنی ذات اور اہل و عیال

کے لئے زندہ ہے اس کے اوقات، اس کی محنت، اس کی مشقت، اس کے تمام مشاغل اس کی ذاتی منفعت کے لئے وقف ہیں۔ اسلام نے تو تمہیں یہ سبق دیا تھا کہ تمہاری زندگی اللہ اور اس کی مخلوق کے لئے ہونی چاہئیے۔ اجتماعی زندگی اور قومی حیات کا تصور تمہارے ذہنوں سے اس طرح نکل گیا کہ کبھی پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ اگر نجات ملی مقصود ہے تو پھر ایک بار اپنے اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کرلو تمہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ اجتماعی زندگی کے اصول نے مسلمانوں کو بام عروج پر پہنچا دیا تھا اور اس کی جانب سے غفلت شعاری نے اس جماعت کو قعر مذلت میں گرا دیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی ذاتی منفعت کے مشاغل کو ترک کر دو لیکن جو وقت تم اس پر صرف کرتے ہو اس کا ایک عشر تو قومی خدمت کے لئے وقف کرو۔ جو کچھ زحمت تم اپنی ذات کے لئے برداشت کرتے ہو اس کا کچھ حصہ ہی سہی قوم کی صلاح وفلاح کے لئے اٹھاؤ، جو کمائی تم اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے صرف کرتے ہو اس کا کوئی ایک حقیر حصہ ہی کیوں نہ ہو قوم پر صرف کر دو۔ غرض مسلمان جب تک اپنے نفس اور مال کے ساتھ جہاد نہ کریں ان کی حیات ملی کے خاتمہ میں کوئی شبہ نہیں۔

مسلمان جماعت اس وقت معاشی غلامی میں مبتلا ہے میں سمجھتا ہوں کہ ان کو ایک موثر معاشی نظام بہ قید زمانہ ایسا مرتب کر لینا چاہئیے کہ وہ اس غلامی سے آزاد ہو جائیں۔ سادہ معاشرت اور کفایت شعارانہ زندگی اس آزادی کی کلید ہے میں متعجب ہوں کہ مسلم جماعت میں آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو سیاسیات کو "ہوا" سمجھتے ہیں، سیاسی اقتدار کے بغیر کوئی قوم وقار وعظمت اور خودداری

کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتی۔ آپ اپنے سیاسی اقتدار کو برقرار نہیں رکھ سکتے اگر سیاسیات حاضرہ سے واقف نہ ہوں آپ میں سے ایسے حضرات جو رہنمائی اور قیادت کے قابل ہیں ان کا فرض ہے کہ عامتہ المسلمین کو حالات حاضرہ سے واقف اور ان میں اپنے معاملات کو سمجھنے اور دفع مضرت اور حصول منفعت کا شعور پیدا کرائیں۔

مجلس اتحاد المسلمین نے کم از کم حیدرآباد میں مسلم جماعت کے ان ٹکڑوں کو جس میں یہ جماعت متفرق تھی۔ اپنی سعی جمیل سے جوڑ دیا ممکن ہے کہ اب بھی کوئی فرقہ یا جماعت ایسی ہو جو اجتماع سے الگ رہنا چاہے مگر اس کے نتیجہ پر ایسی جماعت خود غور کرلے۔ مسلمان اسلام کی سادہ اور مقدس تعلیمات سے بہت دور ہیں اگر اب بھی تم اپنے دستور العمل زندگی میں سے صرف ایک پر عمل کرو جو مجلس اتحاد المسلمین کا مقصد وحید ہے تو تمہاری صیانت کی کفیل وہ ذات ہے جس کا فرمان ہے کہ

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

حضرات!

اب میرا آخری فریضہ یہ ہے کہ میں صمیم قلب کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں دعا کروں اور آپ میرے ساتھ آمین کہیں کہ الٰہی

اعلیٰحضرت میر عثمان علیخاں بہادر آصف سابع

کو جن کے دور حکومت میں مسلمانوں نے خواب غفلت سے آنکھیں کھولیں تا بہ دیر مسلم جماعت کے سر پر قایم رکھ اور جماعت کو توفیق عطا فرما کہ

وہ حضرت اور خانوادۂ آصف جاہی کے سایۂ عاطفت میں ایسی زندگی
بسر کرے جو آیتہ کریمہ میں محکوم ہے فقط
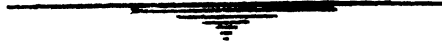
خطبۂ صدارت

جو جناب مولوی ابوالحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ معتمد عمومی
مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ نے مجلس اتحاد المسلمین
گلبرگہ شریف کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ
میں بمقام گلبرگہ شریف پڑھا

صدر و ارکان مجلس استقبالیہ و برادران ملت!

مسلمانوں کے اس عظیم الشان اجتماع کی صدارت کیلئے اس اجتماع میں متعدد ایسے افراد ملت موجود ہیں جو مجھ ہیچمدان سے کہیں زیادہ اس منصب کیلئے موزوں ہو سکتے تھے لیکن آپ حضرات نے ازراہ کرم میرا انتخاب فرماکر جو عزت مجھے بخشی اس کے لئے میں صمیم قلب سے آپ حضرات کا شکرگزار ہوں۔

حضرات جس سرزمین پر آج ہم ملک اور مسلم جماعت کے معاملات

پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اس کی تاریخی اہمیت آپ پر واضح ہے۔
گلبرگہ شریف وہ مقام ہے جہاں چودہویں صدی عیسوی کے اوائل میں سلطان حسن گنگو بہمنی نے دکن میں سب سے پہلی اور سب سے بڑی اسلامی مستقل سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس مقام کو دارالخلافہ قرار دیا۔ ایک صدی کے اندر ہی سلطنت بہمنہ کی وسعت دکن کے چار گوشوں تک پھیل گئی ان سلاطین بہمنیہ اور ان کے بعد اُن کے جانشین عادل شاہی نظام شاہی، برید شاہی، اور قطب شاہی سلاطین نے اسلامی تہذیب و تمدن کو دکن کی سرزمین پر پھیلا دیا۔ جس کے آثار دکن کی چپہ چپہ زمین پر آج بھی اُن کی عظمت و سطوت کا پتہ دیتے ہیں۔ سلاطین مغلیہ نے اپنی باری میں ان خاندانوں کے کئے ہوئے کام کو جاری رکھا اور جب زمانہ کی دست برد نے مغلیہ سلطنت کو تباہ و تاراج کیا تو حضرت نظام الملک آصفجاہ اول کی فراست و تدبر نے دکن کے اس ٹکڑے کو جو آج مملکت آصفیہ کے نام سے موسوم ہے۔ مسلمانوں کی گزشتہ سیاسی عظمت اور اقتدار کی نشانی کے طور پر بچا لیا اور الحمداللہ یہ خطہ سلطان محمدؐ بن تغلق کے عہد سے آج تک مسلمانوں کی حکومت میں باوجود ان تمام حوادث کے محفوظ ہے جو ہندوستان کی سرزمین پر مختلف صورتوں میں گزرے اور انھوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں کے رہنے والی اقوام کی زندگی میں مختلف النوع انقلابات برپا کئے۔

حضرات! جن مسائل سے اس سرزمین میں آج مسلمان دوچار ہیں اُن کے سمجھنے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے طریقہ حکمرانی کو مختصر الفاظ میں آپ حضرات کے آگے بیان کر دیا جائے۔

ابتداءِ اسلام سے مسلمانوں کے طریقہ حکومت پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ باوجود طرزِ حکومت کی مختلف تبدیلیوں کے جن کو زمانہ کے حالات نے ناگزیر بنا دیا تھا اسلامی سلطنت راعی و رعایا کے مابین ایک ایسے رابطۂ اتحاد پر مبنی رہی ہے۔ جس سے رعایا نے زندگی کے ہر شعبہ میں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا ہندوستان کے اسلامی دور میں طرزِ حکومت شخصی رہا لیکن مسلمان سلاطین نے ہمیشہ اپنے اطراف اپنی رعایا کے مختلف طبقات کے ایسے سربرآوردہ اشخاص کو جمع رکھا جو فی الحقیقت ان طبقات کے نمائندہ اور لیڈر کہے جا سکتے تھے، اس طرح تمام دورِ حکمرانی میں کسی اسلامی فرمانروا نے اپنی اس مجلس شوریٰ سے بے نیازی نہیں برتی۔ اور اس طرح ہمیشہ اپنی رعایا کے صحیح احساسات و جذبات کو پیش نظر رکھ کر ان پر حکمرانی کی۔ خاندان آصفی کا طرزِ حکومت بھی ابتداء سے ۲۰ سال قبل تک یہی رہا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس طویل دور میں ملک کی تاریخ میں کہیں اس شور و فساد کا پتہ نہیں ملتا جو بدقسمتی سے آج برپا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ زمانہ کے متبدلہ حالات، عام تعلیم، تبادلہ خیال اور آمد و رفت و رسل و رسائل کے وسیع ذرائع نے عوام کی ذہنیتوں میں انقلاب پیدا کر دیا لیکن حضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی نے، ۲ صفر ۱۳۳۸ھ کو اپنے خطبہ مبارک میں جو دربار افتتاح باب حکومت میں دیا گیا تھا اپنی طرزِ حکومت میں ایک خفیف تبدیلی کا اعلان فرما دیا اور اس سلسلہ میں تنظیم باب حکومت کا جو فرمان واجب الاذعان ۲۲ صفر ۱۳۳۸ھ کو شرف صدور پا یا اس میں سلطنت آصفیہ

کے طریقہ حکمرانی کے مختصر تاریخی حالات بیان فرماتے ہوئے فقرہ (۸) میں یہ ارشاد فرمایا کہ "مابدولت کے قطعی و کامل اقتدار کے تحت حکومت کا کام اور اوس کی ذمہ داریاں ایک مجلس کے سپرد کئے جائیں" اس فرمان عطوفت نشان کے ذریعہ سے سب سے پہلی مرتبہ وزراء کی ایک جماعت کو حکومت کے کام اور اس کی ذمہ داریوں میں منجملہ اختیارات شاہی کے چند اختیارات تفویض کئے گئے۔ لیکن مجلس وزراء کا ہر عمل قطعی و کامل اقتدار شاہی کے تابع رہا اس کی وضاحت اُس فرمان مبارک کے ضمیمہ جات سے معلوم کی جاسکتی ہے

اس مختصر تاریخی بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک راعی و رعایا کا تعلق ایک دوسرے سے بلا واسطہ رہا اور جہاں تک کہ یہ تعلق بلاواسطہ تھا کوئی غلط فہمی مابین راعی و رعایا کے کامل تاریخ میں ہمیں نظر نہیں آتی۔ جب سے کہ ان دونوں کے درمیاں ایک تیسری چیز حائل ہوگئی اور راست ارتباط باقی نہ رہا۔ مختلف نوعیت کی غلط فہمیاں پیدا ہونے لگیں اور ان میں سے کسی کو بھی وہ موقع باقی نہیں رہا جو اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے اس سے پہلے حاصل تھا۔ اس مجلس وزرا جیسا کہ وہ عام طور پر کہی جاتی ہے کونسل نے اپنے متعلقہ اختیارات کے استعمال میں شاہی اقتدار کی قطعیت و کاملیت کو ملحوظ رکھنے کی بجائے اپنے تدبر اور معاملہ فہمی پر اعتماد کیا اور اس اعتماد پر اس درجہ مصر رہی کہ جب کبھی کسی مسئلہ میں بندگانعالی کی جانب سے کوئی مشورہ یا حکم کونسل کی رائے کے خلاف دیا گیا اس پر سخت احتجاج کیا گیا اور جہاں اعلحضرت بندگانعالی کو اپنی رائے پر اصرار رہا وہاں اقتدار اعلیٰ کی مداخلت

کو دستور و آئین کے پردہ میں مدعو کیا گیا۔ اس طرح کونسل کے جس فعل سے کسی طبقہ رعایا میں ناراضی کا اظہار ہوا اس کو اعلیحضرت کے فعل سے منسوب کر کے اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی کی گئی۔ اختیارات شاہی کا تحفظ اس فرمان کے محولۂ بالا فقرہ کے اس جزہی میں نہیں بلکہ فقرہ (۱۱) میں زیادہ واضح اور صاف الفاظ میں اس طرح کیا گیا کہ "اپن جانب کے اقتدار شاہی اور قطعی اختیارات تنسیخ (ویٹو) پر اس فرمان کا یا اس کے ذیلی قواعد کا کوئی اثر نہ ہوگا اور ان اقتدارات و اختیارات کو اپن جانب جس وقت اور جس طرح مناسب سمجھیں استعمال فرمائیں گے" باوجود ان تحفظات کے بعض اختیارات کی منتقلی کا لازمی اثر یہ مرتب ہوا کہ جہاں کہیں کونسل کی اور ذات شاہانہ کی آرا میں اختلاف ہوا تو کونسل نے اپنے اختیارات کے نفاذ کے لئے نہ تو دستوری تحفظات کو پیش نظر رکھا اور نہ ذات شاہانہ کے شخصی وقار کو اس کشمکش کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اقتدار اعلیٰ کو جب بار بار اُن کی امداد حاصل کی جانے لگی تو یہ محسوس ہوا کہ حیدرآباد کے ایسے معاملات بھی جن کا کوئی تعلق اقتدار اعلیٰ سے نہ تھا اور جو کلیتہً داخلی نظم و نسق سے متعلق تھے بلا اُن کی مداخلت کے طے نہیں پا سکتے اور اس طرح اقتدار اعلیٰ نے کونسل کے غیر شعوری مگر دستور و ذات شاہانہ کے وقار کے خلاف عمل کی بدولت داخلی نظم و نسق کے ہر شعبہ میں مداخلت کو ایک ضروری اور استحقاقی عمل سمجھ لیا۔ اور ۱۳۳۶ھ فصلی سے کونسل میں بعض وزرا ایسے داخل ہو گئے کہ جن کو حیدرآباد کے معاملات سے اس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے جو کسی اجیر کو اجرت کے کام سے ہوتی ہے اور جن کو کوئی عقیدت شمہ برابر

ذات شاہانہ سے نہیں بلکہ اُن کی عقیدت بیرونی قوتوں سے ہے اس چیز نے کونسل میں مقابلہ ذات شاہانہ ایک احساس بیخوفی کا پیدا کر دیا اور کونسل نے نہ صرف منتقلہ اختیارات میں بلکہ غیر منتقلہ اختیارات میں بھی ایک طرف ذات شاہانہ کے اقتدار سے باہر دوسری طرف ملک کی کسی جماعت کی رائے سے بے نیاز ہو کر ایسی حیثیت اختیار کر لی جو کسی دستور کے تابع نہیں ہے اور وہ بیرونی اقتدار کی قوت پر اور صرف اس کی خوشنودی کے لئے اہل ملک کے جذبات کے مغائر اپنے فرائض کی انجام وہی کو ملک کے لئے مفید سمجھنے لگی۔ اقتدار اعلیٰ کی جا وبیجا مداخلت اور اس کے اثر و وزن نے اصل مستحق حکومت کی آواز کو بے اثر کر دیا اور غیر مستحق جماعت کے ہاتوں میں ایسے اقتدار سپرد کر دیئے۔ جس کی تائید نہ کوئی دستور کر سکتا ہے اور نہ فہم عام کونسل کے اس (Oligarchical) طرز حکومت نے اہل ملک کے ایسے عنصر کو جو مذہبی، تمدنی، معاشرتی حیثیت سے حکمران طبقہ سے مغائرت رکھتا تھا اس کے مقابل میں کھڑا کر دیا یہی وہ وقت کا پہلا نشان ہے جہاں سے موجودہ شورش و انقلاب کی اصل کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس انقلابی جماعت نے برطانوی ہند میں انگریزی حکومت کے خلاف شورشی اداروں سے اپنا رشتہ یگانگت جوڑا اور ان بیرونی اداروں کی ہدایات اور رہنمائی کے تحت اپنا کام شروع کر دیا۔ جہاں برطانوی ہند میں برطانوی اقتدار کے خلاف اس کو الٹ دینے کی جد و جہد شروع ہوئی یہاں ان کے حریف مسلم اقتدار کو منقلب کرنے کے لئے شورش بپا ہو گئی

برطانوی حکومت نے ملک میں اپنی اجنبیت کو تسلیم کر کے اہل ملک کے مطالبات کو باقساط پورا کرنا شروع کر دیا۔ منٹو مارلے ریفارمس کی تاریخ سے ۱۹۳۵ء تک ہر آئین میں اپنے مفادات حکومت کا تحفظ کر کے اہل ملک کے مطالبات کو تسلیم کرنے پر اس نے اپنے آپ کو مجبور پایا اور ۱۹۳۵ء کے قانون حکومت ہند کے بموجب بہت ہی چند تحفظات کے ساتھ صوبجات کے نظم و نسق کو اہل ملک کے ہاتھوں میں سپرد کر دیا۔ برطانوی ہند میں صوبجاتی خود مختاری کے نفاذ کے بعد ہی جس کی بنیاد اکثریت پر ہے آٹھ صوبجات میں کانگریسی حکومتیں قائم ہو گئیں۔

حیدرآباد کی اکثریت والی جماعت نے برطانوی صوبجات کی اس کامیابی سے قوت حاصل کی اور ہماری کونسل نے جو اپنی بقاء و اقتدار کے لئے حکومت ہند کی مرہون منت ہے اس معاملہ میں رہنمائی کے لئے حکومت ہند پر اپنی نظریں جمادیں۔ حکومت ہند خود اپنے پاس کی شورش کے مقابلہ میں جھک چکی تھی اور اس کی معقولیت کو تسلیم کر چکی تھی اس لئے اس نے ریاستوں میں اس شورش کو ہمدردی اور عفو کی نگاہ سے دیکھا اور اس کو ایک جائز مطالبہ سمجھا۔ لیکن نہ حکومت ہند اور نہ ہماری کونسل نے یہ غور فرمایا کہ دراصل دستوری تبدیلی کا مطالبہ اہل ملک کی جانب سے ہے یا محض برٹش انڈیا کے شورشی اس ملک کی قوتوں کو اپنے اغراض کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں ان دونوں کے سامنے اہل ملک سے چند ایسے غرض مند شوریدہ سر افراد کے مطالبات کے سوائے جن کی تعداد انگلیوں پر

گنی جاسکتی ہے کوئی عام مطالبہ ملک کے دستور میں تبدیلی کا نہ تھا اس کا
بین ثبوت اس تحریک ستیا گرہ سے ملتا ہے جس کو مختلف محاذات کا نام
دیکر ایک ہی غرض کے لئے حیدرآباد میں چلایا گیا جو اشخاص کانگریس کا نام
لیکر کھڑے ہوگئے تھے ان کو تو فوراً یہ معلوم ہوگیا کہ ملک میں ان کے لئے
کوئی تائید موجود نہیں ہے اور انہوں نے اپنے محاذ پر اس جنگ کو ختم
کردیا۔ آریہ سماج اور مہاسبھا کے محاذات پر مذہبی رنگ چڑھا ہوا ہے
اور مذہب کی گرفت ہندوستان کی تمام اقوام کی زندگی پر مضبوط ہے اس
اس لئے ملک اور بیرونِ ملک جو پروپگنڈہ مذہبی بنیادوں پر کیا گیا وہ
اگرچہ اندرونِ ملک کامیاب نہ ہوسکا لیکن بیرونِ ملک کے ناواقف
جاہل اور بے روزگار و مفلس اشخاص کو دولت کی قوت نے اس سے متاثر
کیا۔ ستیا گرہیوں کی جماعتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ اہل ملک کا تناسب نفی
کے برابر ہے بیرون ملک سے جو اشخاص لائے جاتے ہیں وہ بھاڑے کے
ٹٹو ہوتے ہیں۔ اس ساری تعداد میں جو اس وقت ہماری جیلوں میں محبوس
ہے ۵ فیصدی تعداد ایسی نہیں ہے جو یہ جانتی ہو کہ وہ کیوں یہاں آئی اور
کیوں اس وقت حالت قید میں ہے۔ عدالتی ریکارڈ بتلاتا ہے کہ یہ لوگ
دھوکہ، فریب، بے روزگاری کی مجبوریوں کی وجہ سے اس مصیبت میں
گرفتار ہوئے۔ ہماری کونسل کی پالیسی نے جو ان قیدیوں سے متعلق ہے ستیاگرہ
کی حوصلہ افزائی کی۔ قواعد جیل کی عدم پابندی احکام سزا صدرہ عدالت کی
خلاف ورزی ستیاگرہیوں کی مہمان داری اور ان کی تواضع نے جو حکومت

کی جانب سے ان کی یکجائی رہی ستیاگرہی لیڈروں کو اپنے بیروزگار طبقہ کو لاکر ہماری جیلوں میں بھرنے کا موقع دے دیا۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ حیدرآباد کی جیلوں میں ان کے رہنے سہنے، آرام و آسائش اور خور و نوش کیلئے ان کی خواہشات کے مطابق بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ انتظامات ہو جاتے ہیں اور ستیاگرہی قیدیوں کو وقتاً فوقتاً وزن کرکے یہ دیکھ لیا جاتا ہے کہ کہیں ان میں جسمانی انحطاط تو پیدا نہیں ہو رہا ہے اور ان کو اچھی اور مقوی غذائیں دیجاتی ہیں اور باوجود حکم عدالت کے ان سے مشقت نہیں لیجاتی تو انہوں نے ایسے کم سن بچوں کو بیرون ملک سے لانا شروع کر دیا جن میں کسی قسم کا کوئی شعور پایا نہیں جاتا۔

ہماری حکومت یا کونسل کا تدبر یہ ہے کہ وہ اس شورش کو دستوری تبدیلیوں کے لئے کافی سمجھتی ہے اور وہ زمانہ قریب ہے کہ وہ ان دستوری تبدیلیوں کو بنام نہاد اصطلاحات مروج کرکے ان شورشوں کی حوصلہ افزائی کرے اور ان کو اپنے مطالبات کے انتہائی حدود پر پہنچنے کے لئے مزید شورش بپا کرنے کی ترغیب کا باعث ہو اور وفادار طبقات رعایا کی حوصلہ شکنی کرکے ان کو اپنے سے بیگانہ بنالے۔

اصلاحات

حضرات! صدر مجلس اتحاد المسلمین نے جو مملکت حیدرآباد کے مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت ہے اصلاحات کی بابت مسلمانان حیدرآباد کے خیالات

کی ترجمانی اپنے رزلیوشن مورخہ ۱۳ ۱۴ اردی بہشت ۱۳۴۸ف میں کردی ہے
صدر مجلس آج بھی ملک کے حالات اور اہل ملک کے خیالات کی صحیح ترجمانی
اسی کو سمجھتی ہے کہ پھر ایک بار حکومت کو متنبہ کر دے کہ ملک میں ایسی کسی دستوری
تبدیلی کی ضرورت ہے اور نہ اہل ملک کا مطالبہ جس سے مزید شورش اور
فساد کی راہیں کھلجائیں اور ملک کا امن برطرف ہو جائے ملک کی خواہش
کا اظہار اس عام جلسہ کی کارروائی سے بھی حکومت پر ہوگیا جو زمرد محل ٹاکیز
میں سر مہاراجہ بہادر کے اُس بیان پر اظہار تشکر کے لئے منعقد کیا گیا تھا جو موجودہ
شورش کے بے بنیاد ہونے اور ہمارے موجودہ نظام حکومت کے نام نہاد
اور نمائشی جمہوریت سے کہیں بہتر ہونے کی نسبت ممدوح نے دیا تھا۔ دستور
خواہ کچھ ہو حکومت کا مقصود بالذات رعایا کی خوشحالی وصلاح وفلاح ہے
برطانوی حکومت کے تحت ہندوستان میں یہ برکات رعایا کو حاصل نہ تھے
انھوں نے بمقابلہ حکومت جو کچھ کیا وہ اس حکومت کے خلاف بغاوت تھی
اصلاح دستور کا نام اس تحریک بغاوت کو محض قانونی نتائج سے بچنے کے
لئے دیا گیا۔ کیا اس واقعہ سے چشم پوشی کیجاسکتی ہے کہ برطانوی صوبجات میں
جہاں کانگریسی حکومتیں قائم ہوگئیں ہیں مسلمانوں اور اقلیتوں کے ساتھ بدسلوکی
اور مظالم اس قلیل مدت اقتدار میں اس انتہا کو پہنچ گئے ہیں کہ ان طبقاتِ
اہل ملک کی عافیت تنگ ہوگئی ہے۔ صوبہ جات متحدہ و متوسط اور صوبہ
بہار میں مسلمانوں کے قتل وخون سے اکثریت کی طاقت کے دیوتا کو خوش
کیا جارہا ہے۔ قانون کی حکومت برطرف ہو چکی ہے۔ پولیس و دیگر سررشتہ جات

نظم ونسق کانگریس کے چار آنے کے ایک رکن کی خواہش کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور رہیں۔ کیا آج حیدرآباد کے پرامن سیاسی اقتدار کے خلاف یہی علم بغاوت اصلاح دستور کے نام سے بلند نہیں کیا جا رہا ہے غیر سرکاری اشخاص اور سیاسی زعما کی چیخ و پکار سے قطع نظر کر کے کیا سرکاری اور وہ بھی غیر مسلم عہدہ داران سرکاری کی رپورٹیں یہ نہیں تبلا رہی ہیں کہ شورش کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے اگر یہ واقعہ ہے تو اصلاحات دستوری کی خواہش کے پردہ میں کیا اس مسلم اقتدار کو جس نے صدیوں سے دنیا کی تنقید اور نکتہ چینی سے بالاتر ہونے کے باوجود رواداری اور شفقت کے ساتھ حکمرانی کی چھین لینے کی سعی نہیں کی جا رہی ہے اور کیا ہماری کونسل ان حقایق کی روشنی میں ملک کے حکمران طبقہ کی مخالفت اور دیگر طبقات کے مطالبہ کے بغیر نام نہاد اصلاحات دستور کو اپنے عارضی دور حکومت میں محض اپنی ہردلعزیزی اور حصول اغراض کے لئے نافذ کرنا ہی نہیں چاہتی۔ کیا وہ اعلیٰ حضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کو یہ باور کرانے کی جرأت نہیں کر رہی ہے کہ اقتدار اعلیٰ کو ایسی اصلاحات سے غرض یا دلچسپی ہے؟ ان سوالات کے جوابات کو میں اپنے سامعین پر چھوڑتے ہوئے مسلمانوں کی توجہ صدر مجلس اتحاد المسلمین کی اس یادداشت کی جانب مبذول کراؤں گا۔ جو ۱۹ اردی بہشت ۱۳۵۵ف کو سر صدر اعظم بہادر کے ملاحظہ میں پیش کی گئی اور جس میں مسلمانوں کے وہ ناگزیر مطالبات درج ہیں جن کے بغیر کوئی دستور مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ یہ مطالبات مجلس کی جانب سے طبع ہو کر شائع ہو گئے ہیں۔ لیکن ان کی اہمیت کے لحاظ سے میں ایکبار کرر

عامتہ الناس کی اطلاع کے یہاں ان کا اعادہ مفید سمجھتا ہوں۔

(۱) حیدر آباد کی حکومت ایک کامل الاقتدار بادشاہت ہو جس پر ہمیشہ آصفجاہی خاندان کا ایک مسلمان رکن متمکن رہے۔

(۲) ہندوستان کے وفاقی دستور میں حیدر آباد کی شرکت اگر ناگزیر متصور ہو تو حیدر آباد صرف اسی صورت میں مناسب اور شایان شان حصہ لے سکیگا جب کہ اس کا سیاسی اقتدار مالیاتی توازن اور معاشی ترقی کے امکانات متضرر نہ ہوں۔

(۳) اگر ملک کی ترقی کے لئے موجودہ دستور میں کوئی تبدیلی ناگزیر متصور ہو تو مسلمانان دکن کسی ایسی تبدیلی کو ہرگز قبول نہ کریں گے جس سے مسلم جماعت کی وہ روایاتی سیاسی برتری متاثر ہو جو حیدر آباد کی تاریخ میں اُس کو صدیوں سے حاصل رہی ہے۔

توضیح (الف) مقننہ وادارہ جاتِ مقامی حکومت خود اختیاری کی ترکیب میں بہ حیثیت مسلمانوں کو آئینی اکثریت حاصل رہے

(ب) مُسلم نشستیں جداگانہ انتخاب کے ذریعہ پر کیجائیں۔

(۴) اُردو جو ہندوستان بھر کی مشترکہ اور حیدر آباد کی مروجہ سرکاری زبان ہے ہمیشہ حیدر آباد کی سرکاری اور بجز تحتانی جماعتوں کے تعلیمی و جامعاتی زبان رہے۔

(۵) ملازمت مسلمانوں کے لئے نہ صرف تاریخی سیاسی وقار کا بلکہ ایک اہم معاشی مسئلہ بھی ہے اس لئے فرقہ واری تناسب کا مطالبہ اس

مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا اور مسلمان اس سے محروم ہونے کے لئے کسی حالت میں تیار نہ ہوں گے۔

(۶) حیدرآباد میں ہر مذہب و ملت کے لئے جائز آزادی ہمیشہ سے حاصل رہی ہے اور رہے گی لیکن بادشاہت کا مذہب چونکہ اسلام ہے اور رہے گا اس لئے عہدۂ صدر الصدور جس سے خدمات شرعیہ متعلق ہیں اپنی روایاتی خصوصیات کیساتھ علیٰ حالیہ قائم رہے اور مسلم اوقاف اور مسائل مذہبی کے انتظامات سے متعلق ایک آئینی مسلم آدارہ کو حکومت تسلیم کرے۔

(۷) حیدرآباد میں شہری آزادی ہر شخص کو بلالحاظ مذہب و ملت حاصل رہے بشرطیکہ اس کا استعمال ناجائز نہ ہو۔ اور اس کو ملک میں باغیانہ اور اور فرقہ وارانہ جذبات کے اشتعال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

(۸) ملک کے اہم پیشیوں تجارت، زراعت، اور صنعت میں مسلمانوں کا حصہ نفی کے برابر ہے جس کی وجہ سے اُن کی معاشی حالت پر بہت برا اثر پڑ رہا ہے لہذا ایسے وسائل و اسباب فراہم کئے جائیں جن سے اُن کی معاشی مشکلات رفع ہوں اور وہ ان پیشیوں میں شایان شان حصہ لے سکیں۔

یہ مطالبات ایسے صاف و صریح ہیں کہ اُن کی مزید تشریح کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن ان میں سے مطالبات نمبر ۲ و ۵ ایسے ہیں جن کا حکومت کی جانب سے نظر انداز کر دیا جانا سخت خطرات سے مملو ہوگا مسلمانوں کی آئینی اکثریت تمام ایسے اداروں میں جو جدید دستور کے تحت قائم ہوں اس لئے ناگزیر ہے کہ اس فرقہ واری انتقامی جذبات کی اس تخریبی رو میں جو آج کل تمام ہندوستان

اور خصوصاً حیدرآباد میں جاری ہے ان کا کامل تحفظ نہ ہوسکے۔ جداگانہ انتخاب وہ واحد ذریعہ ہے جس سے مسلمانوں کے حقیقی نمائندے منتخب ہوسکتے ہیں۔ اس اصول کو قانونِ حکومت ہند ۱۹۳۵ء میں بھی (Communal award) کے ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے اور آج خود کانگریس کی رائے ہے کہ جب تک مسلمان اس مطالبہ سے دست بردار نہ ہوں اس وقت تک ان کا یہ جائز حق اُن سے چھینا نہیں جاسکتا۔ ہمارے ارباب اقتدار حالات سے چشم پوشی کرکے مشترک پلاٹ فارم اور متحدہ قومیت کی حمایت میں ایسے سرگرم نظر آتے ہیں کہ وہ تمام نتائج کی طرف سے منھ پھیر کر مشترک انتخاب کو مسلمانوں کے سر پر کس دینے پر آمادہ ہیں مسلمانوں کا یہ ایقان ہے کہ اگر مشترک انتخاب کو حکومت نے رائج کیا تو مسلمان اس کے مسترد کردینے کیلئے اپنے آپ کو مجبور پائیں گے۔

حضرت! ۱۹رجون ۱۹۳۹ء م ۱۳رامرداد ۱۳۴۸ف جس کی اطلاع آپ کو "ایسوسی ایٹڈ پریس" نے دی ہے غالباً وقت کا وہ دوسرا اہم نشان ہوگا جہاں سے مسلمانوں کی جد وجہد کا دور زندگی شروع ہوگا اور آپ حضرات کو صدر مجلس اتحاد المسلمین کی ہدایت کے تحت کامل نظم وضبط کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے

ملازمت

ہمارا پانچواں مطالبہ ملازمت میں فرقہ وارانہ تناسب کے خلاف ہے قطع نظر اس کے کہ ملازمتوں میں فرقہ وارانہ تناسب اُس فرقہ واریت میں شدت پیدا کردیگا جس سے ملک کو ہمارے مدبر بچانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، مسلمان اس کو

اپنے تاریخی سیاسی اقتدار کا ذریعہ اور معاش کا واحد وسیلہ جانتے ہیں اس لئے وہ اس کو کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے کہ اس میں فرقہ وارانہ تناسب قائم کیا جائے بجز چند برہمن حضرات کے ملک کا عام مطالبہ ملازمتوں کے لئے ہرگز نہیں ہے اور ملک کے عوام جن کی اکثریت ہے برہمن اقتدار کے حامی نہیں ہیں۔ حکومت کی پالیسی اس خصوص میں تشویشناک ہے۔ محکمہ مال کے قواعد ملازمت اور حکومت کے گزشتہ چند ماہ کے عمل اور سررشتہ معلومات عامہ کی اطلاع متعلق تقرر ایجنٹ برار نے مسلمانوں میں ایک بے چینی پیدا کر دی ہے جس کے نتائج کی ذمہ دار خود کونسل ہوگی

وفاق

برادران! جس طرح گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے بعد صوبہ واری خودمختاری کے نفاذ تک اس قانون کے اثرات کی نسبت بلا عملی تجربہ کے قیاس آرائیاں ہوتی رہی تھیں اور اس کو کم مفرت رسان سمجھا جاتا تھا اسی طرح اس قانون کے وفاقی حصہ کی نسبت بھی جو مخالفت وموافقت پریس اور پلیٹ فارم سے ہو رہی تھی وہ محض اس کے عملی پہلو کو پیش نظر رکھے بغیر ہو رہی تھی۔ صوبہ واری خودمختاری کے نفاذ نے ....

نہ صرف قانون کے اس حصہ کے تحفظات کو بے اثر ثابت کر دکھایا بلکہ وفاقی اسکیم کے بعض عملی خدوخال کو بھی واضح کر دیا۔ کانگریس کی جانب سے جس کا دعوی اس دستور کو تباہ کر دینے کا تھا وزارتوں کو قبول کر لینے کے بعد صوبجات نے یہ معلوم کر لیا کہ ان کو مسلمانوں اور اقلیتوں پر بڑی حد تک ایسا اقتدار مل گیا جس کے ذریعہ وہ اپنے اغراض ومقاصد کے لئے ان کو استعمال کر سکتے ہیں

مسٹر سوبھاش چندر بوس کو جو وفاق کے سخت مخالف تھے وفاقی اسکیم کو روبہ عمل لانے کے لئے انگریزوں سے ہاتھ ملانے کے بعد مسٹر گاندھی نے کانگریس سے دھکا دیکر نکال دیا اور جس طرح صوبہ واری خود مختاری کی اسکیم پر اب وہ عمل پیرا ہیں اسی طرح یہ چاہتے ہیں کہ قانون کی وفاقی اسکیم پر عمل کر کے مرکزی حکومت میں اپنا اقتدار قایم کرلیں اور مرکزی مقننہ میں ریاستوں کے نمایندگان ان کے ہم خیال رعایا کے منتخب کردہ افراد ہوں تاکہ مرکزی حکومت میں بھی ان کی اکثریت اسی طرح قائم ہوجائے جس طرح کانگریسی صوبوں کی حکومتوں میں ہے۔ وفاقی اسکیم مسلمانوں کے لئے عام طور پر یوں تباہ کن ہے کہ مرکزی حکومت میں کانگریس کے اقتدار کے ساتھ برطانوی ہند کے وہ صوبجات بھی جو کانگریسی حکومت میں نہیں ہیں کانگریسی مرکزی حکومت کے تابع ہوجائیں گے اور اس طرح ہندوستان کے طول وعرض پر کانگریس کا تسلط قایم ہوجائے گا۔ حیدرآباد وفاق کی شرکت سے نہ صرف اپنے معاہداتی مرتبہ اور وقار کو کھو دیگا۔ بلکہ جو مداخلت اقتدار اعلیٰ کی اس وقت نامعلوم طور پر ہوتی رہتی ہے وہ کھلے بندوں بمتابعت قانون ہونے لگے گی اور اگر مرکزی حکومت میں کانگریس کو اقتدار حاصل ہوجائے تو خصوصیت کے ساتھ حیدرآباد کا مسلم اقتدار مرکزی حکومت کی نکتہ چینی و دل آزاری (؟) کا آماجگاہ بن جائے گا۔ مسلمان اس روز کے خیال سے لرزہ براندام ہیں جس روز کہ یہ صورت پیدا ہو اور اگر انھوں نے یہ تہیہ کرلیا ہے کہ وہ اپنی پوری قوت کیساتھ اس کو روکیں گے۔ تو یہ کسی طرح بیجا نہیں ہے۔

حکومت سے خطاب

میرا یہ خطبہ ناتمام رہ جائیگا اگر میں "حکومت ہندوا ور مسلم جماعتوں" کو چند الفاظ میں مخاطب نہ کروں۔ حکومت سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے چند روزہ اقتدار کا استعمال اس طرح کرنے سے باز رہے جس سے ملک کے مختلف طبقات میں بجائے ہم آہنگی اور ارتباط کے مضبوط ہونے کے ان میں مستقل طور پر مخالفت کی خلیج حائل ہوجائے اُن کو اپنے تمام نظم و نسق میں اہل ملک کے جذبات کا احترام اور اس کی پاسداری لازمی ہے۔ مسلم جماعت کے جذبات کو نظر انداز کرکے وہ ملک میں ایسی فضا پیدا کر رہے ہیں جو اُن کی نظر مقدس خواہشات کی باعمل تکمیل نہیں کرسکتی ان کو تیر کمان سے نکلجانے سے قبل ایک بار پھر سوچ لینا چاہیئے۔

ہندو جماعت سے خطاب

میرا یہ سیاسی عقیدہ رہا ہے کہ ملک کی نجات ہندو مسلم اتحاد ہی پر موقوف ہے میں نے اس کے لئے ایک سال قبل تک مسلسل ہندو زعما کیساتھ اولین صف میں رہ کر کام کیا ہے لیکن میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کسی اور کی نسبت زیادہ وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ابنائے وطن کی نیک نیتی اور عمل میں خلوص اور قول و عمل کی یکسانیت کو مفقود پایا مجھے یہ یقین ہے کہ اس طویل عرصہ تعاون میں جس طرح انھوں نے اپنے مقاصد کے لئے مجھے استعمال کرنے کی کوشش کی اور جس طرح اپنے اصلی عزائم کو مجھ سے چھپاتے رہے اسی طرح وہ اپنے ہر مسلم معاون

سے کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ ان کے اقوال خواہ کچھ ہوں لیکن میں نے ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کو اس نتیجہ کی جانب مائل پایا کہ اس سے ہندو جماعت کو قوت اور اقتدار حاصل ہو اور مسلمانوں کو اُن کے موجودہ مقام سے گرا کر اپنا دست نگر بنا یا جائے وہ مسلم جماعت پر سراسر فرضی اور بیجا الزامات لگا کر اپنی جماعت کے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑکا رہے ہیں اور اس طرح وہ دونوں جماعت میں منافرت کی ایک ایسی خلیج حائل کر رہے ہیں جو دن بدن وسیع ہوتی جا رہی ہے اور وسیع ہوتی رہیگی نواب بہادر یار جنگ بہادر اور مسٹر نرسنگ راؤ کی مصالحت کی کوشش اسی طرح ناکام رہی جس طرح اس سے پہلے کی مساعی ناکامیاب رہی تھیں اس کوشش میں خلوص کے فقدان کے ثبوت میں محض یہ واقعہ کافی ہے کہ جن اشخاص نے مسٹر نرسنگ راؤ کے خط اعتماد پر دستخط کر دیئے تھے ان میں سے اکثر حضرات نے گفتگوئے مصالحت کے دوران میں ستیاگرہ شروع کر دی۔ آج ہندو زعما مسلمانوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ فرقہ وارانہ ذہنیت کے ساتھ کام کرتے ہیں مسلمانوں کی صدیوں کی تاریخ ابنائے وطن کے اس الزام کی کھلی تردید ہے لیکن کیا مسلمان ابنائے وطن کے خاموش حملوں اور ان کی اُن کوشش کے دفیعہ کے ذرائع استعمال کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں جو نامعلوم طور پر مسلم جماعت کے جسم کو اسی طرح کھا جانے کی سعی کر رہے ہیں جس طرح فرمن بخار انسانی جسم کا خاتمہ کر دیتا ہے کیا ملک کی ہندو برادری اس بات پر آمادہ ہے کہ وہ اپنے قول و فعل سے مسلمانوں کے اس اندیشہ کو رفع کرے کہ ہندو جماعت بیرونی انقلاب انگیز اداروں سے اپنا تعلق رکھتی ہے اور حیدرآباد میں اس ہندو مسلم ارتباط و اتفاق کی دشمن ہے جو صدیوں سے چند سال پیشتر تک تھا؟ کیا ہندو جماعت آج اپنی نیک نیتی

کے ثبوت کے طور پر یہ عہد کرتی ہے کہ وہ کانگریس کی اس تجویز سے کہ ہندوستان
کی تقسیم لسانی بنیادوں پر کر کے مسلم جماعت کی تہذیب و تمدن کو اس سرزمین سے مٹا
دیا جائے قطعی اجتناب کریگی اور حیدرآباد کے تین ٹکڑے اسی لسانی بنیاد پر کر کے ان تینوں
ٹکڑوں کو برطانوی صوبجات سے ملحق کرنے کی سعی سے باز رہے گی جس تمنا کا اظہار اس نے
وجیانگرم ورنگل میں بیواجی ڈے مناکر ایک سے زیادہ مرتبہ کیا ہے

کیا ہندو جماعت آج صحیح مشترک قومیت کے قیام کیلئے مسلمانوں کو اطمینان دلانے کیلئے
آمادہ ہے کہ وہ مجالس مقننہ و مقامی اور ملازمتوں میں ہندو مسلم متناسب نمائندگی پر روز دینے
کی بجائے محض حیدرآبادی قومیت کے اشخاص کو بلالحاظ تفریق مذہبی فائز دیکھنا چاہتی ہے

کیا ہندو جماعت اردو کو جو نہ ہندو زبان ہے اور نہ مسلم زبان بلکہ ہمارے باہمی اشتراک
کی پیداوار ہے قومی زبان کی حیثیت سے تسلیم کر کے مقامی زبانوں کو اس کے مقابل
اہمیت دینے کی سعی سے دست بردار ہوتی ہے۔

اگر میرے ان چار سوالات کا جواب کوئی ہندو فرد یا جماعت اثبات میں دینے کے
لئے آمادہ ہے تو میں آج اس پلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے مسلمانوں کیجانب سے اس کیساتھ
اشتراک و معاونت کا ہاتھ بڑھاتا ہوں لیکن اگر کوئی ہندو فرد یا جماعت اس کے
لئے تیار نہیں ہے تو وہ مسلمانوں کو معاف کریں اور ان پر یہ الزام لگانے سے احتراز کریں کہ
مسلمان فرقہ وارانہ ذہنیت کیساتھ کام کرتا ہے۔ مسلمان قانون فطرت کے موجب اپنے
تحفظ پر مجبور رہیں ایسی تجاویز پیش کر کے جس کے قبول کرنے کی صورت میں مسلمانوں سے
سب کچھ چھن جائیگا اور مسلمانوں کی جانب سے اُن کی نامقبولیت کا شور و غوغا مچا کر
مسلمانوں پر فرقہ دارانہ جدوجہد کا الزام لگانا آج کل کی سیاست کا معمولی کرتب ہیں اپنے

ابنائے وطن سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف افترا پردازی اور چھوٹے اشتعال انگیز پروپگنڈے سے باز آکر صفائی قلب اور خلوص نیت کے ساتھ ان کی طرف بڑھیں اور دیکھیں کہ کس کے قلوب و دماغ فرقہ وارانہ جذبات سے معمور ہیں۔

مسلم بھائیوں سے خطاب

مسلم بھائیوں سے میری استدعا ہے کہ وہ حالات حاضرہ کا گہرا مطالعہ کریں بے توجہی اور بے حسی جو اُن کے جذبات واحساسات پر اس وقت طاری ہے اس کو معاملات کے علم اور اپنی حالت کے بدل دینے کے ارادہ سے تبدیل کر دیں، زمانہ امن و آسایش نے ان کو ذاتی اغراض کا بندہ بنا کر ایک دوسرے سے جو جدا کر دیا ہے اس کو ترک کریں۔ اور اسلام کی اس بنیادی اور اساسی تعلیم کی طرف پھر ایکبار رجوع کریں کہ مسلمان کا مرنا جینا کھانا پینا سب اللہ کے لئے ہے۔

مسلمانو! جب تک اپنے باہمی اختلافات کو دور کر کے ایک مرکز پر پھر جمع نہ ہو جاؤ گے ایک مقصد کیلئے پھر کام نہ کرو گے اور اس مقصد کے حصول کیلئے ہر اسکانی قربانی کے لئے تیار نہ ہو گے اندیشہ ہے کہ خدا کی خلافت کا وہ اعلیٰ منصب تم سے چھن جائیگا جس کے لئے تم اس دنیا میں بھیجے گئے ہو اگرچہ حالات و واقعات مایوس کن ہیں لیکن یہ تمہاری بے توجہی کا نتیجہ ہے اگرچہ آج تم اپنی حیات اجتماعی سے مایوس ہو لیکن اللہ کا وعدہ تمہارے ساتھ ہے۔ لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین فقط
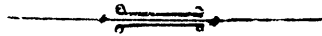
جسے جناب مولوی ابوالمحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ نے ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۰ بہمن ۱۳۴۹ف کو سالانہ کانفرنس مجلس اتحاد المسلمین ضلع محمد آباد بیدر کا افتتاح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :-

میں آپ حضرات کا دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے اس عظیم الشان سالانہ جلسہ کی افتتاح کے لئے مجھ ناچیز کا انتخاب فرمایا۔ کچھ عرصہ سے یہ رسم ہو گئی ہے کہ ایسے اجتماعات میں علاوہ خطبۂ استقبالیہ وصدارت کے ایک مختصر سی افتتاحی تقریر کر دی جائے۔ لیکن یہ رسوم عموماً ایسے اشخاص سے انجام دلائی جاتی ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتے ہوں میں اپنے آپ کو ان صفات میں سے کسی کا بھی حامل نہیں پاتا جس کی وجہ سے اس اعزاز کا خود کو مستحق سمجھوں۔ لیکن جب آپ نے مجھ سے اس کی

خواہش ظاہر فرمائی تو اس خواہش کا مسترد کر دینا بھی میرے لئے ناممکن تھا اس لئے مسائل حاضرہ پر اپنے ناچیز خیالات کا اظہار بطور اس جلسہ کے افتتاحیہ کے اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

برادران عزیز! ہمارے گذشتہ اجتماعات جس داخلی خلفشار کی حالت میں ہوتے رہے ہیں وہ آج کے ان حالات کے مقابلہ میں جو دنیا پر طاری ہیں بہت کم اہمیت رکھتا تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین نے اپنی تمام تنظیمی اور اجتماعی قوتوں کے ساتھ جن کیفیات کا مقابلہ کیا اور اس مقابلہ کے لئے جن قوتوں کی ضرورت تھی آج کا ماحول یہ تبلا رہا ہے کہ وہ کیفیات اس سے زیادہ پر خطر صورت میں اب ہمارے سامنے ہیں اور اس لئے جن قوتوں کو اس وقت کام میں لایا گیا تھا آج اس کی ضرورت ہے کہ اس سے زیادہ تنظیم اور اجتماعات سے کام لیا جائے۔

یورپ کی قوتیں ایک ہولناک جنگ میں مصروف ہیں اور اس جنگ کے حالات یہ تبلا رہے ہیں کہ اس کے نتائج دنیا کے لئے سنہ ۱۹۱۴-۱۸ء کی جنگ سے زیادہ گہرے اور دول عالم کے دساتیر کو تبدیل کر کے انسانی تمدن پر اپنے عمیق نقوش چھوڑ جائینگے۔ سلطنت برطانیہ اپنی پوری قوتوں کے ساتھ اس جنگ میں منہمک ہے اور برطانیہ کی اس خواہش نے کہ ہندوستان کے تمام قوی مادی و انسانی کو اپنی کامیابی کے لئے استعمال کرے۔ ہندوستان کے دو بہت بڑی قوموں کو اس کا موقع دیدیا کہ وہ اپنے اپنے نقاط نظر سے اپنے اپنے مطالبات کو

حکومت برطانیہ سے منوالے کی سعی کریں۔ ہندو جماعت کے نمایندہ ادارہ کانگریس نے جنگ میں اپنی مدد کو اس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا کہ حکومت برطانیہ بلا تعویق و بلا انتظار نتائج جنگ یہ اعلان کر دے کہ ہندوستان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لئے بلا امداد و مشورت پارلیمنٹ برطانیہ ایسا دستور مرتب کرلے جس میں اقلیتوں کے حقوق کی کافی حفاظت کی جائے۔

مسلم جماعت نے اپنی نمایندہ جماعت مسلم لیگ کے صدر کی وساطت سے حکومت برطانیہ پر واضح کر دیا کہ اقلیتوں کے حقوق کے مسئلہ کا تصفیہ کانگریس پر کسی طرح چھوڑا نہیں جا سکتا اور مسلم لیگ کسی ایسے دستور کو آیندہ تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہے جس کے لئے مسلم جماعت کی رضامندی حاصل نہ کر لی گئی ہو۔ مسلم لیگ نے نمایندۂ تاج برطانیہ سے اس امر کا اطمینان حاصل کر لینے کے بعد مسلمان جماعت کی جانب سے برطانیہ کو جنگ میں ہر طرح کی امداد دینے کا یقین دلایا۔

برطانوی وزراء اور مدبرین نے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانات میں ہندوستان کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے یہ امر واضح کر دیا کہ ہندوستان پر ان کے گذشتہ دو صد سالہ تسلط اور سیاسی اقتدار نے ان کو یہ حیثیت عطا کر دی ہے کہ وہ ہندوستان کیلئے کسی دستور سازی کے مسئلہ سے اپنے آپ کو علیٰحدہ نہیں رکھ سکتے اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کا بار ان کے دوش پر عاید ہے۔ لیکن انہوں نے یقین دلایا کہ ہندوستان کو

ڈومنین اسٹیٹ (Dominion Status) عطا کرنے کا ان کا وعدہ جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء میں ابتداً کیا گیا تھا اور جس کا اعادہ مابعد کے دستور اور اعلانات میں کیا جاتا رہا ہے آج بھی قایم ہے اور وہ جنگ کے بعد بدین شرط اس وعدہ کے ایفاء کے لئے تیار ہیں کہ وہ تمام اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ دستور میں ہو جائے۔ اور اس کے لئے اکثریت تمام اقلیتوں کے ساتھ کوئی مشترک پروگرام ترتیب دے لے۔

ہندوستان کی سیاسیات کا نہایت گہرا اثر ریاستہائے ہند پر ہمیشہ پڑتا رہا ہے حکومت برطانیہ نے اپنے امپیریل اغراض کے لئے ہندوستانی ریاستوں پر ہمیشہ اپنا قابو رکھا گزشتہ جنگ کے بعد (Para mountcy) اقتدار اعلیٰ کا ایک ایسا نظریہ وضع ہوگیا کہ جو نہ صرف چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے متعلق کیا گیا بلکہ حیدرآباد کے جیسی عظیم الشان سلطنت سے بھی جس کے معاہداتی مرتبہ سے آج بھی کوئی برطانوی مدبر کو انکار نہیں ہے متعلق کر دیا گیا۔

سلطنت حیدرآباد نے پیارا مونٹسی کے مسئلہ کو کسی وقت بھی تسلیم نہیں کیا جیسا کہ اس مشہور تاریخی مراسلت سے واضح ہے کہ جو حکیم السیاست اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی اور والسرائے وقت لارڈ ریڈنگ کے مابین ۱۹۲۶ء میں ہوئی۔ لیکن برطانوی حکومت نے اس مسئلہ کو بالعمل حیدرآباد سے بھی متعلق رکھا۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ موجودہ جنگ

کے آغاز کے بعد جہاں نمایندہ تاج برطانیہ کے برٹش انڈیا کی تمام سیاسی جماعتوں کے ساتھ جنگ میں ان کی امداد کے سلسلہ میں ہندوستان کے آیندہ دستور پر تبادلہ خیال کیا۔ وہاں اگرچہ ریاستہائے ہند سے متعلق بذریعہ صدر چیمبر آف پرنسز مشورت کیگئی لیکن مسئلہ پیارامونٹسی کی نسبت سنہ ۱۹۲۶ء سے اس وقت تک موضوع بحث بنا ہوا ہے آج کل کے حالات کے مدنظر کوئی اطمینان بخش اعلان نہیں کیا کہ برطانیہ عظمی جنگ کی کامیابی کے بعد اپنے وعدہ کے مطابق ہندوستان کو ڈومنین اسٹیٹس (Dominion Status) عطا کردے تو ریاستہائے ہند سے متعلق Para mountcy کا جو اختیار وضع کر رکھا ہے کیا وہی ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کے حق میں منتقل ہو جائے گا جن کے ہاتھوں میں موجودہ برٹش انڈیا کی زمام حکومت منتقل ہوگی۔ ریاستوں کے جو تعلقات حکومت برطانیہ کے ساتھ اس وقت معاہدات پر مبنی ہیں اور جن کے متعلق کانگریس بزعم خود یہ سمجھتی ہے کہ ان معاہدات کی کوئی اخلاقی بنیاد نہیں ہے ان کا کیا حشر ہوگا۔ میں نے اب سے ٹھیک ایک سال ایکماہ قبل صدر مجلس اتحاد المسلمین کے سالانہ جلسہ کے خطبہ صدارت میں جو ۲ شوال سنہ ۱۳۵۷ھ کو دیا گیا تھا اس امر پر اپنے اجمالی خیالات کا اظہار یہ دیکر توقع کیا تھا کہ حکومت سرکار عالی اور علی الخصوص مسلم جماعت اس اہم قانونی مسئلہ پر کافی غور کرے گی۔ لیکن مسئلہ کے خد و خال چونکہ اس وقت اتنے زیادہ نمایاں نہ تھے جیسے کہ آج ہیں

اس لئے شاید کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہ کی اور آج یہ مسئلہ بالکل عریاں حیثیت سے متعلقہ فریقین میں سے ہر ایک کے سامنے ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے خطبہ صدارت محولہ بالا کا وہ جزو یہاں نقل کر دوں۔

" برطانوی ہند میں انگریزوں نے اپنے اقتدار کو ڈیموقراطی اصولوں کے تحت جو ہندوستانی طبائع سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے غلط اداروں کے سپرد کر دیا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ حقیقی اقتدار کس حد تک منتقل ہوگا۔ ہوگا بھی یا نہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ انگریزی قوم اپنے تجارتی و اقتصادی مفادات کے تحفظ کے ساتھ کامل اقتدار کو بھی منتقل کر دے تو یہ واقعہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حیدر آباد دوسری ریاستوں سے علیحدہ اپنی ممتاز و اعلیٰ حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے برطانوی حکومت کے ساتھ معاہداتی مرتبہ رکھتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہم نے تعاملاً ان معاہدات کے تحت بعض اختیارات کو جو ہمیں حاصل تھے استعمال نہیں کیا۔ لیکن ہمارا یہ عمل اپنی حلیف حکومت کے ساتھ رہا ہے اور اگر ہماری حلیف حکومت اپنے اقتدار کو باقی رکھے تو ممکن ہے کہ آئندہ بھی ہمیں اس پر اصرار نہ ہو۔ لیکن اگر ہماری حکومت اپنے اقتدار کو منتقل ہی کر دینا پسند کرے تو ہمارے لئے دو صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں اولاً وہ جماعت جس پر ہماری حلیف حکومت اپنا اقتدار منتقل کرے اپنے آپ کو اس کی قانونی جانشین و قائم مقام تصور کر کے ہمارے معاہدات کا احترام کرے۔ ایسی صورت میں ہم کو بھی اصرار نہ ہوگا کہ ہم اپنے تعلقات کو اس سے منقطع کر لیں۔

ثانیاً اگر وہ جماعت جس پر اقتدار منتقل ہو ہمارے وجود یا حیثیت کو نہ مانے اور اس بات پر مصر ہو کہ ان معاہدات کی کوئی اخلاقی بنیاد نہیں ہے تو ہم مجبور ہونگے کہ اپنے وجود اور حیثیت کو منوائیں اور اپنے معاہدات کی اخلاقی بنیاد کو باقی رکھنے کے واسطے استخلاص و استقلال وطن کی تحریک شروع کریں۔ اس اقتباس میں جو دو صورتیں میں نے اس وقت ظاہر کی تھیں ان میں سے صورت اول کو مسٹر گاندھی اور دوسرے کانگریسی زعماء نے اپنے بیانات اور عمل سے ناممکن بنا دیا ہے بشمول حیدرآباد ریاستوں سے متعلق ان کا یہ دعویٰ ہے کہ برطانوی حکومت کیساتھ ہمارے معاہدات پارینہ اور ان کی اخلاقی بنیادیں کھوکھلی ہیں۔ مجھے ان کے اقوال کو یہاں نقل کرنیکی ضرورت نہیں لیکن یہ امر صاف ظاہر ہے کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو Dominion Status عطا کر دے تو ہم کو میری مجوزہ صورت ثانی پر عمل کرنیکے لئے تیار رہنا چاہئیے اور حیدرآباد اپنی حلیف برطانوی حکومت سے جس کے استقلال کا باعث ازمنہ سابقہ میں وہ رہا ہے اور جس نے گذشتہ اور حالیہ جنگ میں عدیم المثال مدد دی ہے بجا طور پر متوقع ہے کہ حکومت برطانیہ اس کے اس جائز حق کے حصول میں مدد کرنے سے دریغ نہ کریگی۔ سر اسٹافرڈ کرپس نے جو انگلستان کے ممتاز ترین قانون پیشہ اشخاص میں سے ایک اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں اپنی ایک ملاقات کے سلسلہ میں جو ۱۱ ڈسمبر ۱۹۳۹ء کو نئی دہلی میں اخباری نمایندوں

سے ان کی ہوئی اپنی گفتگو کے دوران میں اسٹیٹس کے مسئلہ پر جو خیالات ظاہر کئے وہ اس بحث میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اس لئے انکا یہاں مختصر نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ سر موصوف ایک نمائندہ اخبار کے سوال کے جواب میں جو ریاستوں کی آئندہ حیثیت اور پیرامونٹسی (Para mountcy) کے اصول کے متعلق کیا گیا تھا فرماتے ہیں کہ پیرامونٹسی کو برطانوی ہند کے ہاتھوں میں منتقل کرنا اس کے مساوی ہے کہ یہ اختیار جاپان یا جرمنی کے حق میں منتقل کیا جائے" اور آگے چلکر وہ کہتے ہیں کہ ان حالات میں پیرامونٹسی کو ترک کر دینا ہی مناسب ہوگا اور ریاستیں اپنی طور پر غور کرینگی کہ ان کو ہندوستان کے ساتھ کس طرح تعاون کرنا چاہئے" ہمارے معاہدات کی روشنی میں یہی وہ صحیح خیالات ہوسکتے ہیں جو ایک قانونی تجربہ رکھنے والے دماغ میں پیدا ہوسکتے ہیں اور ہمیں حکومت سرکار عالی سے متوقع ہوں کہ وہ اس مستند قانونی رائے کی قوت پر حکومت برطانیہ سے یہ امر بروقت طے کرلے کہ اگر برطانوی ہند کو ڈومنین اسٹیٹس دیا گیا تو وہ حیدرآباد کو ایسی آزاد حالات میں لا دینے کی ذمہ دار رہے۔ جس حالت میں کہ اس نے اس سے معاہدات کئے تھے۔

برادران عزیز! مسئلہ نہایت اہم اور حکومت سرکار عالی اور صاحب حکم ہر مسلمان کی غایت توجہ کا مقتضی ہے اور اب جو وقت اس پر کھویا جائے وہ ایسے خسارہ کا موجب ہوگا جس کی تلافی ناممکن ہوگی۔ حالات گذشتہ

جنگ سے بالکل مختلف ہیں۔ گذشتہ جنگ میں اعلیٰحضرت بندگانعالیٰ کی گرانقدر امداد کے باوجود جنگ کے کامیاب اختتام پر ملازمان حضرت بندگانعالی نے اپنی مملکت کے ایک ٹکڑے کو جو خاص حالات میں دوامی پٹہ پر دیا گیا تھا واپس طلب فرمایا تو حیدرآباد کی امداد کو نظرانداز کر کے حکومت برطانیہ نے اپنے یار وفادار کو دل شکن جواب دے دیا تھا۔ لیکن موجودہ جنگ کی کامیابی بلحاظ اس کے معلنہ مقاصد کے کانگریس کے اس مذموم طرز عمل کے باوجود ہندوستان کی آزادی پر منتج ہوگی اور ہندوستان کی آزادی کسی طرح حیدرآباد کی سلب آزادی کے معنے میں حاصل نہیں کی جاسکتی۔

حضرات۔ مسئلہ کی اہمیت اور وسعت چاہتی ہے کہ اس پر تفصیلی بحث کی جائے لیکن موقع اور وقت کی تنگی مقتضی ہے کہ میں فی الحال اس اجمال کو حکومت سرکار عالی اور مسلم جماعت کے ارباب فکر و فہم کیلئے یہیں چھوڑ دوں۔ اس پر مزید روشنی انشاءاللہ کسی قریبی صحبت میں ڈالی جائے گی۔ لھذا میں حکومت سرکار عالی اور ہر مسلم سے متوقع ہوں کہ وہ بحیثیت باشندہ حیدرآباد وقت کے اس اہم ترین مسئلہ پر اپنی پوری پوری قوت کو صرف کرے اور دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالی حضرت ظل اللہ کے سایہ ہما پایہ میں ہم کو وہ تنظیم و قوت عطا فرمائے جس کے ذریعہ سے ہم اس مشترک مقصد کے حصول میں کامیاب ہوں۔ آمین۔ فقط

از مولوی ابو الحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ
رکن مجلس عاملہ مملکتی مجلس اتحاد المسلمین

جو ۲۱ آبان ۱۳۴۹ ف م ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۵۹ ہجری م ۲۶ ستمبر ۱۹۴۰ء
کو کانفرنس سالانہ مجالس اتحاد المسلمین حلقہ (ب) بلدہ حیدر آباد میں پڑھا گیا

محترم صدر وارکان مجلس استقبالیہ مجالس حلقہ (ب) و حاضرین کرام!

مجالس حلقہ (ب) کا میں متشکر ہوں کہ انہوں نے اپنے اس سالانہ جلسہ کی صدارت کیلئے مجھ ناچیز کا انتخاب فرمایا۔

مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ یا اس کی کسی اور شاخ کا کوئی جلسہ ایسے نازک حالات میں کبھی منعقد نہیں ہوا تھا جیسے کہ یورپ کی جنگ کی وجہ سے آج کرۂ ارض پر طاری ہیں۔ گذشتہ ایکسال میں نازی جرمنی کے دست تظلم و تعدی کی شکار ایک سے زیادہ مملکتیں ہو چکی ہیں۔ آغاز جنگ سے ایکسال کے اندر یو

کے مغربی ساحل کی تمام سلطنتیں بشمول فرانس کی عظیم الشان مملکت کے اپنے وجود کو کھو چکی ہیں۔ اٹلی کی شرکت نے براعظم افریقہ میں ایک تہلکہ ڈال دیا ہے اور مصر پر اٹلی کے حملہ نے تمام اسلامی ممالک میں خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ ہٹلر و سولینی کی شیطانی طاقتوں کا مقابلہ اس وقت تنہا برطانوی عظیم الشان طاقت اقوام عالم کی آزادی کی خاطر کر رہی ہے اور ہم سب کی دلی تمنا ہے کہ برطانیہ کو اپنے مدمقابل بہیمانہ قوتوں پر کامل غلبہ حاصل ہو۔ حالیہ جنگ یورپ جو دنیا کی سابقہ آویزشوں سے عظیم تر ہے دنیا کے کسی حصہ پر اپنے اثرات کو محسوس کرائے بغیر نہ رہے گی۔ فرانس کے تباہ و برباد ہو جانے کے بعد سے مشرق میں جاپان کے طرز عمل نے اور افریقہ میں اٹلی کی چیرہ دستیوں نے جنگ کے خطرات کو ہندوستان کے حدود سے بہت قریب کر دیا ہے۔ اور اس خطرہ کا سدباب محض ایک ہی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کی تمام قومیں اس وقت متحدہ طور پر برطانیہ کی پوری اعانت کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔

حیدرآباد نے جلالتہ الملک اعلیحضرت میر عثمان علیخان بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی قابل فخر قیادت میں اپنے حلیف کی ان مصائب میں جو عظیم الشان امداد کی ہے وہ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ برطانوی مملکت کے تمام حصص سے ممتاز طور پر نمایاں ہے۔ ان کثیر رقوم کے علاوہ اس وقت تک جلالتہ الملک نے اپنی ذات شاہانہ اور جلالتہ الملک کی حکومت نے آپ کے ایما سے حکومت برطانیہ کو عطا کئے ہیں۔ عامہ رعایا حیدرآباد کی جانب سے ہوائی بیڑے کی صورت میں جو گرانقدر عطیہ وزارت ہوائیہ برطانیہ کو دیا گیا ہے وہ برطانوی حیدرآبادی

تاریخ کا ایک ایسا درخشاں واقعہ ہے جس کو عبث دموودت کی ہمیشہ زندہ رہنے والی یادگار کے طور پر تاریخ نگار آنے والے زمانوں کے آگے پیش کرینگے۔

مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ نے مسلم جماعت کو برطانوی کامیابی میں ہاتھ بٹانے اور ان اعلیٰ مقاصد کے حصول میں جن کے لئے یہ جنگ لڑی جارہی ہے برطانیہ کو ہر طرح کی امداد بہم پہنچانے پر آمادہ کیا ہے اور آمادہ کر رہی ہے۔ میں اس اجتماع سے فائدہ اٹھاکر ان اتہامات کی پرزور تردید کردینا چاہتا ہوں جو بعض اشخاص کی جانب سے مجلس اتحاد المسلمین پر لگانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ وہ "مخالف برطانیہ" ہے مجھے یقین ہے کہ مجلس کے نہ صرف ذمہ دار ارکان بلکہ اس کے ابتدائی ارکانوں کی لاکھوں کی تعداد میں سے کسی ایک کی نسبت بھی سچائی کے ساتھ یہ کہا جاسکے گا۔ کہ اس نے "مخالف برطانیہ" کوئی فعل یا عمل کیا اگر نیک نیتی کے ساتھ مملکت کے ملازمین پر نکتہ چینی کی گئی ہو یا مملکت کے نظم ونسق میں ان کی ضرورت یا عدم ضرورت پر بحث کی گئی ہو اور اگر مملکت کے داخلی معاملات میں مداخلت سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہو یا مملکت کے معاہداتی مرتبہ کے حصول کا مطالبہ کیا گیا ہو تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی فعل یا عمل "مخالف برطانیہ" ہو سکتا ہے؟ البتہ مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ نے حیدرآباد کے مسلم عوام میں جو سیاسی شعور پیدا کیا اور مملکت حیدرآباد کے صحیح آئینی مرتبہ کو ان کے آگے پیش کیا اس فطری طور پر اہل حیدرآباد اس مرتبہ کے دوبارہ حصول کی جانب متوجہ ہیں۔ اب جبکہ دنیا کا عظیم ترین انقلاب انسانی زندگی کی رفتار کو تبدیل وتغیر کے سانچے میں ڈھال رہا ہے۔

اہل حیدرآباد کا خاموشی کے ساتھ اس انقلاب کو اس نظر سے دیکھنا ناممکن ہے
کہ وہ ان کی حیات اجتماعی کو متاثر کئے بغیر گذر جائیگا۔

جنگ کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی سیاسیات میں اہم اور آئے
دن کی تبدیلیاں ہونے لگیں۔ ہندوستان کی آزادی کے مطالبہ کو حکومت
برطانیہ نے غیر مبہم الفاظ میں تسلیم کرلیا جنگ کے آغاز کے بعد پہلا اعلان اس
خصوص میں اکٹوبر ۱۹۳۹ء میں ہوا اور اسی سال ڈسمبر میں مجلس اتحاد المسلمین
ضلع بیدر کے سالانہ جلسہ میں اپنے خطبہ افتتاحیہ میں حیدرآباد کی آئینی
حیثیت سے متعلق میں نے حکومت سرکار عالی اور ہر صاحب فکر مسلمان کو
متوجہ کیا۔ حکومت سرکار عالی کی توجہ بھی اس خاص مسئلہ کی جانب مائل ہوئی
اور ہز اکسلنسی صدر اعظم بہادر باب حکومت سرکار عالی نے اپنی تقریر میں جو
آخر مرتبہ انہوں نے مجلس مقننہ حیدرآباد میں فرمائی حیدرآباد کی آئینی حیثیت
اور مسئلہ دفاع پر حکومت کے خیالات ان الفاظ میں ظاہر فرمائے ہیں۔

"ملک معظم کی حکومت نے اب یہ واضح کردیا ہے کہ ان کا
نصب العین ہندوستان کو کامل نوآبادیاتی درجہ دینا ہے یعنی
وہ نوآبادیاتی درجہ جو قانون ویسٹ منسٹر کی مطابقت میں ہو
اور جہاں تک درمیانی مدت کا تعلق ہے وہ جنگ کے بعد
ہندوستانی رائے عامہ کی مدد سے دستوری مباحث کو دوبارہ
آغاز کرنے پر آمادہ ہیں نیز یہ کہ یہ درمیانی مدت اقل ترین ہوگی
بہرحال ہمارا راستہ تو صاف اور سیدھا ہے برطانوی حکومت کے

ساتھ ہمارا جو اتحاد ہے اس کی دو صدیوں تک آزمائش ہو چکی ہے اور وہ اتحاد جو ہمارے اور تاج برطانیہ کے مابین ہے غیر متزلزل ہے۔

حیدرآباد اور ہندوستان کی ریاستوں نے ہمیشہ اس امر پر زور دیا کہ ہمارے تعلقات تاج برطانیہ کیساتھ ہیں اور یہ امر اب تسلیم کیا جا چکا ہے چنانچہ کرادن ریپرزنیٹو کی اعلیٰ خدمت اس کی شاید ہے ہندوستان کے کسی دستور میں اگر ان تعلقات کا کوئی جز بھی کسی اور کو منتقل کیا جائے تو جہاں تک حیدرآباد کا تعلق ہے ایسی منتقلی لازمی حضرت اقدس و اعلیٰ کی منظوری کے بغیر عمل میں نہیں لائی جا سکتی۔ اس اصول کو دستوری مباحث کے دوران میں ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا اور اس کا اطلاق علاوہ دوسرے امور کے مسئلہ دفاع پر بھی ہوتا ہے جس میں ریاست نے چند اختیارات تاج برطانیہ کے تفویض کئے اور قطع نظر اس عام دفاعی ضمانت کے جو خود اس اتحاد میں مضمر ہے بعض وسیع علاقوں کے معاوضوں میں چند خصوصی فوجی ضمانتیں بھی حاصل کیں۔ دوران مباحث میں ہم نے اس امر کو بالکل صاف و صریح کر دیا ہے کہ خصوصی فوجی ضمانت معاہداتی بنیاد رکھتی ہے اور اگر کوئی غیر معمولی تغیر دفاع کے متعلق واقع ہو تو اس کا اطلاق ریاست پر بغیر ریاست کی منظوری کے نہیں ہو سکیگا اسی طرح ۶۲۵

میں حکومت سرکار عالی نے اس امر پر اصرار کیا کہ ایک ایسی
ریاست میں جس نے اپنے مفوضہ علاقوں کے لئے کوئی دوسرا
معاوضہ قبول کرلیا۔ اور جس کی خصوصی فوجی ضمانتیں اس
معاوضہ کی وجہ سے منقضی ہوگئیں اور ایک ایسی ریاست میں
جس نے اپنے مفوضہ علاقوں کے لئے کوئی معاوضہ قبول نہیں
کیا اور جس کی خصوصی فوجی ضمانتیں حسبہٖ نافذ التعمیل رہیں امتیازی
فرق کیا جائے۔"

ہندوستان کی سیاسی جماعتوں نے برطانوی حکومت کے اس
اعلان کو اپنے مطالبات سے مطابق نہ پاکر جنگ میں حکومت برطانیہ سے
تعاون نہ کرنے کا اعلان کردیا۔ اور اپنے مطالبات کو ہندوستان کی کامل
آزادی کی صورت میں تبدیل کردیا۔ حکومت برطانیہ اور حکومت ہند
کی جانب سے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے
مطالبات کی قبولیت کو اور واضح الفاظ میں پیش کیا جائے چنانچہ
حکومت برطانیہ کے ایماء سے ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر نے ۸ ر اگست
سنہ ۱۹۴۰ء کو پھر ایک اعلان کیا۔ جس میں انھوں نے یقین دلایا کہ جنگ
کے بعد فوراً ہندوستان کا ایسا آئین جو مقبوضاتی درجہ کی خصوصیات
کا حامل ہو ہندوستانی قومی زندگی کے اہم عناصر کی ایک نمایندہ
جماعت بنائیگی اور اس اعلان کے بعد ہی وائسرائے بہادر نے ہندوستانی
سیاسی جماعتوں کے قائدین سے ملاقات کی ان قائدین کی جانب سے

وائسرائے بہادر کے اعلان کی توضیحات کے مطالبہ کے نتیجہ کے طور پر
۱۴ راگسٹ کو دار العوام میں وزیر ہند مسٹر ایمری نے جو تقریر کی اس میں
تبلایا کہ ہندوستان کو جو آئینی حیثیت حاصل ہوگی وہ ایسی ہوگی جیسی کہ
انگلستان کی آئینی حیثیت ہے مجھے ہندوستانی سیاسیات سے باتفصیل
یہاں بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں یہ تبلا دینا چاہتا ہوں
کہ ہندوستان کی سیاسی احزاب نے جنگ میں برطانیہ کی امداد کو اپنے
مطالبات کی قبولیت سے مشروط کر دیا اور حکومت برطانیہ نے ان کے
ان مطالبات کو ماں لینا ضروری سمجھا۔ حیدرآباد نے اپنی امداد و معاونت
کو بلا شرط پیش کیا اور مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ نے بھی جو
یادداشت حیدرآباد کی آئینی حیثیت و دفاعی قوت کی بازیافت کیلئے
پیش کی اس میں یہ صاف بتلا دیا کہ جو مطالبہ وہ کر رہی ہے اس کا فطری
حق ہے امداد کا معاوضہ نہیں۔ کیا یہ ایک خنرنیہ نہ ہوگا کہ ہندوستانی
سیاسی جماعتوں کے شور و پکار اور ایجیٹیشن سے متاثر ہو کر حکومت برطانیہ
اپنے مفتوحہ و زیر اقتدار علاقوں کو تو آزاد کر دے اور مملکت حیدرآباد
جیسی عظیم الشان مملکت کو جس نے اپنی آزادی اپنے حلیف کی خاطر کھودی
ایسی حالت میں چھوڑ رکھے جس میں کہ وہ آج ہے۔ مجلس اتحاد المسلمین کی
یادداشت کے مطالبات صاف ہیں۔

(۱) حیدرآباد کی آزاد آئینی حیثیت

(۲) دفاع کے اختیارات و وسائل کے استعمال میں کامل آزادی

(۳) نتیجتاً ان علاقہ جات کی واپسی جو دفاعی اغراض کے لئے حکومت ہند کے حوالے کئے گئے تھے۔

یہی (۳) مطالبے بلیغ الفاظ میں ہزاکسلنسی سر صدر اعظم بہادر کی تقریر کے اس اقتباس میں موجود ہیں جس کو میں نے اس خطبہ میں نقل کیا ہے۔

حضرات ! مجلس اتحاد المسلمین کی یادداشت کی اشاعت کے بعد اس کے مندرجہ مطالبات کی صحت نیز اہل حیدرآباد کے جائز توقعات کی نسبت تو کسی جماعت کو بھی کوئی اعتراض نہیں لیکن بعض حلقوں میں یہ شبہات ظاہر کئے جا رہے ہیں کہ حیدرآباد کی آزادی کے مطالبہ کے معنی یہ تو نہ ہوں گے کہ ہندوستان کی چھ سو کچھ ریاستیں یا کم از کم ان میں سے بڑی بڑی ریاستیں اپنی آزادی کا مطالبہ کریں۔ اور یہ خیال ہے کہ شاید ریاستوں کے ایسے مطالبات کا یہ منشاء ہوگا کہ یا تو ہندوستان کی آزادی میں ایک رکاوٹ پیدا ہو یا ہندوستان چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو جائے میں ان شکوک و شبہات کی صحت کا قائل نہیں۔ یہ شبہات زیادہ تر قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کی اس وفاقی اسکیم کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے جو اس قانون میں تجویز کیا گیا تھا۔ کانگریس اور مسلم لیگ نے قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کے مجوزہ وفاقی مقننہ کے دونوں ایوانوں میں والیان ریاست کے نامزد کردہ ارکان کی ایک معتد بہ تعداد کے وجود کی نسبت یہ صحیح طور پر نتیجہ اخذ کیا تھا کہ یہ ارکان حکومت ہند کے اثرات سے باہر نہ جا سکیں گے

اور اکثر معاملات میں ان کی آرا، حکومت بہ آسانی حاصل کرسکے گی اور منتخبہ ارکان کی آزاد خیالی اور کاروبار حکومت کو آزادی کے راستہ پر لے چلنے کی مساعی میں سخت رکاوٹ ثابت ہونگے چنانچہ ان جماعتوں نے وفاق کی مخالفت کی۔ ریاستوں کی حکومتوں کو عمومی طرز حکومت میں تبدیل کرنے کے لئے ریاستی رعایا میں اپنی تبلیغ شروع کردی۔ اسٹیٹ پیپلز کانفرنس نے ممتاز کانگریسی زعمار کی صدارت میں کام شروع کیا اور ہندوستان کی ریاستوں کو حلقوں میں تقسیم کرکے کانگریس کے ارکان عاملہ نے یہ حلقہ اپنے دائرہ ہائے عمل کی طور پر بانٹ لئے۔ مملکت حیدرآباد مسٹر پٹابھی سیتا رامیا کے۔ گجرات اور کاٹھیاواڑ کی ریاستیں مسٹر پٹیل کے اور راجپوتانہ کی ریاستیں سیٹھ جمنالال بزاز کے حلقہ عمل میں آگئیں دو تین سال تک ان ریاستوں میں کانگریسی اصول اور نقطہ نظر کو پھیلانے کی سخت جدوجہد جاری رہی مختلف ریاستوں میں بدامنی پیدا ہوگئی۔ ادھر مسٹر گاندھی پنڈت جواہر لال نہرو مسٹر سیتا مورتی اور دیگر زعما کانگریس نے ریاستوں کے خلاف تقریری جہاد شروع کردیا اور بتلایا کہ حکومت برطانیہ کے ساتھ ریاستوں کے معاہدات کی کوئی اخلاقی بنیاد نہیں ہے وہ ازمنہ وسطی کی یادگار ہیں۔ ریاستوں کا طرز حکومت استبدادی اور انسانیت کے لئے ناقابل برداشت ظلم ہے لیکن یہ سب اس لئے تھا کہ مجوزہ وفاقی تجویز قانون حکومت ہند میں چونکہ وہ کوئی تبدیلی قانون کی ترمیم کے ذریعہ پیدا کرنا ممکن نہ سمجھتے تھے اور حکومت ہند ایسی ترمیم سے انکار کرچکی تھی اس لئے انہوں نے اس کو آسان سمجھا کہ

خودریاستوں کی حکومتوں میں انقلاب پیدا کر کے وہاں ذمہ دارانہ حکومتیں قائم کر دی جائیں اور وفاقی مقننہ میں نمائندگان ریاست کو نامزد کرنیکا جو حق والیان ریاست کو دیا گیا تھا اس سے ان کو محروم کر کے عوام کے منتخبہ نمائندگان کو بھیجنے کی سبیل نکالی جائے یہ جدوجہد مسلسل جاری رہی اور اگرچہ قانون کا صوبہ جاتی خود مختاری کا اسکیم جاری کر دیا گیا۔ لیکن وفاقی اسکیم بروئے کار نہ آسکا ستمبر ۱۹۳۹ء کے لیل و نہار نے ایک عظیم عالمی انقلاب کا ظہور دیکھا۔ اور کچھ دنوں بعد ہی ہندوستانی سیاسی اداروں اور خود ریاستوں کی مخالفت کی بنا پر ان جدید پیدا شدہ حالات میں حکومت ہند کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ وفاقی اسکیم مجوزہ قانون حکومت ۱۹۳۵ء کو غیر معین مدت کے لئے ملتوی کر دیا گیا ہے۔ ہمیں اس التوا کے اسباب پر یہاں غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ بتلانا صرف یہ مقصود تھا کہ ریاستوں اور ان کے معاہدات کے خلاف کانگریسی مہم کے اسباب کیا تھے اور کس طرح سے وہ حالات متذکرہ صدر میں ریاستوں کے وجود کو ہندوستان کی آزادی کے راستہ میں حائل سمجھنے لگے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ہر ریاست کے تاریخی حالات اور اس کے معاہدات اور آزاد ہندوستان میں ایک آزاد حیثیت رکھنے کے لئے جن ذرائع کی ضرورت ہے ان کے وجود پر بحث کر کے آپ کا زیادہ وقت لوں۔ ان مسائل پر میں نے اس تقریر میں جو مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر رزولیوشن نمبر (۷) کو پیش کرتے ہوئے میں نے کی تھی کافی روشنی

ڈالی تھی۔ لیکن میں مملکت حیدرآباد کی آئینی۔ سیاسی۔ معاہداتی۔ اقتصادی
حالت کو پیش نظر رکھ کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ مملکت ان ساری حیثیتوں سے
آزاد ہے اور اس کو اس حیثیت سے باقی رہنا ضروری ہے۔ رہ گیا
یہ سوال کہ آزاد ہندوستان میں ہماری مملکت کا کیا مقام ہوگا اس کے لئے
ایک اصولی سوال پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ

"کیا ہندوستان آزادی حاصل کر کے ایک سیاسی وحدت
بن جائے گا"

یہ ضرور ہے کہ بعض تاریخی دور ہندوستان پر ایسے گذرے ہیں کہ
طاقتور فاتحوں اور اچھے نظم و نسق رکھنے والے شہنشاہوں نے ہندوستان
کے مختلف النسل۔ مختلف اللسان۔ اور مختلف تہذیب و تمدن رکھنے والی
قوموں کو ایک سیاسی نظام کے تابع رکھا۔ لیکن جب کبھی ایسی قوت باقی
نہیں رہی ہندوستان کے مختلف اقطاع ایسے نظامات سے علحدہ
ہوگئے اور ان میں طوائف الملوکی پیدا ہوگئی۔ ہندو دور حکومت میں مہاراجہ
اشوک کی تاریخ۔ مسلم دور حکومت میں اکبر سے لے کر حضرت عالمگیر تک کا
دور اور زمانہ حاضرہ میں حکومت برطانیہ کا تسلط اس کی مثالیں ہیں لیکن
خود حکومت برطانیہ کے دور میں باوجود علمی اور ذہنی ترقیات کے جو اہل
ہند کو حاصل ہوئی ہیں اور باوجود ذرائع رسل و رسائل
اور مواصلات کے جو اہل ملک کی بہتات کے ہندوستان
کے ہر صوبہ کو علحدہ اور ایک خود مختار صوبہ

قرار دادینا ضروری تصور کیا گیا اور آج عوام کی جانب سے یہ مطالبات جاری ہیں کہ کل ہند کی تقسیم لسانی بنیادوں پر کر دی جائے۔ خواہ ایسا ہو یا نہ ہو صوبہ داری خود مختاری خود اس کا بین ثبوت ہے کہ ہندوستان کا یہ عظیم الشان ملک ایک سیاسی وحدت بن کر نہیں رہ سکتا۔ ہاں ان مختلف خود مختار صوبوں کو جو بجائے خود مملکتیں ہیں مشترکہ اغراض میں متحد رکھنے کے لئے ایک (Eederation) یا (Cenfediration) کی صورت اختیار کرنی پڑے گی لیکن یہ فیڈریشن یقیناً وہ نہ ہوگا۔ جو قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء میں تجویز کیا گیا تھا بلکہ ایسا ہوگا جو آزاد اور (Self determinig.) قوام میں ہوتا ہے۔ ہندوستان کے موجودہ حالات میں ان مشکلات کو حل کرنے والے جو سیاسی نظریات زیر غور ہیں میری رائے میں سب سے زیادہ صحیح نظریہ یہی ایک ہے، اگر ہم اس نظریہ کو تسلیم کرتے ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ حیدرآباد کو اپنی آزادی کاملہ کے حاصل کر لینے کے بعد عظیم تر ہندوستان میں اپنا صحیح مقام حاصل کرنے میں کیا دقت ہوگی؟ اور وہ اپنی آزادی کامل کے مطالبہ سے ہندوستان کے آزادی کے راستہ میں کیوں حائل ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ ان خیالات کو پیش نظر رکھنے کے بعد وہ شکوک و شبہات کہ کہیں حیدرآباد اپنے مطالبۂ آزادی سے ہندوستان کی آزادی میں سدراہ نہ بنے حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں۔ مجلس اتحاد المسلمین نے بھی اپنی اس تاریخی یادداشت میں اس خیال کو فقرہ (د) کے آخر میں بدین الفاظ ظاہر کیا ہے کہ۔

"جس لمحہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ حاصل ہو جائے
حیدرآباد کی آئینی سابقہ خود مختارانہ حیثیت عود کر آئے گی
اور مقبوضاتی حکومت کے ساتھ جدید معاہدات طے کرنے
میں وہ بالکلیہ آزاد ہوگا۔

برادران عزیز۔ خوش آیند مطالبات کا کر دینا تو آسان ہے لیکن
ان کا حصول جب تک پوری قومی یکجہتی اور منظم طریقہ پر سعی نہ کرے ممکن نہیں
مجلس اتحاد المسلمین کی کوششوں نے مسلم جماعت میں ایک طرح کی بیداری
اور مسائل حاضرہ کا شعور ضرور پیدا کر دیا ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز
نہیں کیا جا سکتا کہ قوم کے وہ افراد جن کو آرام دہ زندگی کے وسائل خواہ
کسی طرح سے حاصل ہوں شخصی اور ذاتی منافع اور مفادات و اغراض میں گھرے
ہوئے ہیں جب تک قوم کا ہر فرد اعلیٰ و ادنیٰ اپنی پوری قوتوں اور صلاحیتوں
کو تنظیمی مساعی پر مرکوز نہ کر دے اور جب تک مالی اور ذاتی ایثار نہ ہو اس وقت
تک ان مطالبات کا حصول ناممکن ہے میں مسلم جماعت کے ہر فرد سے
خواہ وہ کسی طبقہ یا پیشہ کا ہو یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس اعلیٰ مقصد
کے حصول کے لئے اپنی پوری قوتوں اور ذرائع کو صرف کریں۔ وقت جیسا
کہ انفرادی زندگی میں لاقیمت ہے قوموں کی اجتماعی زندگی میں بھی ہے
وقت کا کھونے والا اور وقت کا نہ پہچاننے والا دونوں ایسے خسارہ میں
رہتے ہیں جس کی کوئی تلافی ممکن نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میری یہ استدعا
نہ صرف مسلم برادران کو اپیل کرے گی بلکہ اس ملک کا ہر شہری اس مقصد

کے حصول میں اپنا پورا حصہ لے گا۔

۱۲ آبان ۱۳۴۹ف کے رہبر دکن میں ہمارے ملک کے کانگریسی زعمار کا ایک بیان میں نے بڑی مسرت سے پڑھا۔ ان احباب نے ہندوستان کے آیندہ دستور میں حیدرآباد کی دستوری حیثیت سے متعلق صحیح طور پر تردد کا اظہار کیا ہے اور وہ حیدرآباد کے سیاسی اقتدار کی بقا، کامل ترقی کے امکانات اور داخلی معاملات میں کسی بیرونی قوت کی مداخلت نہ ہونے سے متعلق ہمارے مطالبات سے متفق ہیں۔ رہا دستور اور اس کی مماثلت برطانوی ہند کے ساتھ اس سے متعلق مجھے کسی قدر تفصیل سے اپنے خیالات کے اظہار کی اجازت دیجئے۔

برادران محترم۔ آئین یا دستور مملکت ایسی مشین میڈ (Machine Made) شئے نہیں ہے جس کو جملہ ممالک یا اقوام یکساں طور پر استعمال کر سکیں۔ ہر ملک اور قوم کے حالات۔ عادات اطوار۔ رسم و رواج و طریقۂ زندگی تہذیب و تمدن ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور ہر ملک اور قوم کا آئین یا دستور مملکت ان ہی حالات پر مبنی ہوتا ہے۔ قدیم و جدید دنیا کے مختلف ممالک کے دساتیر کا معائنہ و مقابلہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ اپنے اصول و فروع میں ایک دوسرے کے مغائر ہیں۔ لیکن قوم و ملک کا دستور اس کے اپنے حالات کے لئے ضروری اور اس کے مطابق ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ کی مثال لیجئے ان ممالک کی کثرت آبادی انگریزی نسل سے

اور پوری قوم انگریزی زبان بولنے والی ہے۔ باوجود اس کے انگریزی دستور مملکت ان کے ممالک کے حالات اور قوم کے مزاج کے مطابق نہ ہو سکا اور انہوں نے اپنی ملکی اور قومی خصوصیات کو پیش نظر رکھکر جس دستور مملکت کو اپنے لئے اختیار کیا اور اس کو ترقی دی وہ کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔ یورپ کے کسی دو ہمسایہ ممالک کے دساتیر کا مطالعہ کیجئے تو ہم دیکھ سکیں گے کہ انگلستان۔ فرانس۔ جرمنی۔ اٹلی۔ روس یا دیگر ممالک میں سے کسی دو کا دستور ایک دوسرے سے نہیں ملتا۔ ہاں غیر آزاد مملکتوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ایسی مملکت کے دستور کی نقل کرنے لگتی ہیں جن کا سیاسی تسلط ان پر ہوتا ہے۔ انگلستان کے دستور کی تبعیت کینیڈا۔ آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ، ہندوستان اور اس کی دیگر نوآبادیات میں تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ کیجاتی ہے۔ اسی طرح فرانس کی نوآبادیات میں فرانس کا دستور بطور نمونہ پیش نظر رہا ہے۔ لیکن یہ اس سیاسی تسلط کا نتیجہ ہے جو ان ممالک پر انگلستان و فرانس کا ہے۔ ہندوستان کے سوائے انگلستان کے دوسرے مقبوضات یا نوآبادیات چونکہ اپنے داخلی اور اقتصادی و معاشی نظم و نسق میں کلیتاً آزاد ہیں نیز اس لئے کہ ان میں سے بڑے بڑے مقبوضات کے باشندوں میں انگریزی قوم کے نسلی تعلقات اور تہذیب و تمدن کا سو فی صد اثر ہے اس لئے دستور کے بنیادی اصولوں اور بڑی حد تک فروعات کی یکسانیت بھی قابل عمل ہے۔ علاوہ اس کے یورپین اور امریکی یا ان کی مقبوضات یا نوآبادیات

میں بسنے والی قوموں کے پاس ان کا کوئی مذہبی دستور ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنی اجتماعی اور ملی زندگی میں اس کو اختیار کر سکیں اس لئے ہر قوم کو اپنے لئے بلحاظ حالات ملک اپنا جدید دستور اختیار کرنا پڑا۔ ان اقوام کا کوئی کوڈ (Code) ایسا نہیں ہے جن کی نسبت یہ کہا جا سکے کہ وہ الٰہی قانون ہے۔ خود ساختہ قوانین کی پابندی ہی ان کے پاس معیار اخلاق ہے۔

ہندوستان کی صورت اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ ہندوستان کی بسنے والی قوموں میں دو بڑی قومیں اپنا ایسا مکمل نظام قانون رکھتی ہیں جو ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ یہ قوانین مذہبی بنیاد رکھتے ہیں اور ہندوستان کی زندگی ان قوانین کے تابع اس سے بہتر ہو سکتی ہے جو دیگر قوانین کی تبعیت میں ہو سکتی ہے۔ دونوں قومیں اپنے قوانین کو الٰہی قانون مانتی ہیں اور ان پر عمل کرنا فلاح دارین کا موجب سمجھتی ہیں آج کون ہندو یا مسلمان ایسا ہے کہ وہ قرآن اور وید کے مندرجہ احکام و قوانین کا مقابلہ دنیا کے خود ساختہ دساتیر سے کر کے ان کو کمتر پاتا ہو ؟ پھر اس کے کیا اسباب ہیں کہ آج ہم اپنے ان قوانین کی طرف سے بے توجہ ہو کر اپنی زندگی کے لئے قانون کے ایسے ماخذ تلاش کر رہے ہیں جو ہمارے مزاجوں سے میل نہیں کھاتے ؟ کیا ہمارے ان قوانین میں فرماں روائی فرمانبرداری اقتصادی معاشی۔ تعلقات باہمی۔ اخلاق۔ سزا و جزا کے لئے احکام مدون نہیں ہیں ؟ اور ہیں تو کیا وہ ناکافی ہیں ؟ اگر ان سب کا جواب نفی میں ہے تو پھر کیا ہماری

ہیں کہ ہم آج ان قوانین سے بے توجہ ہو کر انسانی دماغوں کے وضع کردہ قوانین کے دلدادہ ہو رہے ہیں۔

مغربی اقوام کے مفکرین نے دستور مملکت کی تین اہم شقیں بیان کی ہیں۔

۱۔ تشریعی (قوانین کا وضع کرنا (Leg is Lative)

۲۔ عاملہ (Executive)

۳۔ عدلیہ (Judciary)

کیا قرآن اور وید نے جو نظام حکومت اپنے اپنے پیروں کو دیا اُس میں یہ تین اجزاء نہیں پائے جاتے؟ قرآن نے جس کو مسلمان کلام الہٰی اور خدائی قانون مانتے ہیں۔ حکومت فرمان برداری تجارت۔ تعلقات باہمی اخلاق۔ اقتصاد۔ معاش۔ باہمی سلوک۔ بین الاقوامی تعلقات، جنگ و صلح۔ غرض حیات انسانی انفرادی و اجتماعی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس کی ہدایت نہیں فرما دی۔ میں ویدوں اور شاستروں کا عالم تو نہیں ہوں لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ ہندو قوم اپنے اس قانون کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے یقیناً کافی جانتی ہے۔ جہاں ایسے مکمل قوانین ہماری زندگی کے لئے موجود ہوں اور ہمارے اعتقادات مذہبی کے بموجب تشریع کا کام انسانی فلاح و بہبود کے لئے ہر زمانہ اور ہر ملک کی ضروریات کو پیش نظر رکھکر خالق کون و مکان نے ہمارے لئے کر دیا ہو تو پھر اگر ہمارے نظام حکومت میں حالیہ صورتوں کے بموجب مجالس تشریعی موجود نہ ہوں تو یہ امر قابل اعترا

ہے اور نہ ضروری۔ تاہم میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں نظامات میں تبدیل پذیر ضروریات زمانہ کے لحاظ سے تشریع کا کام جاری تھا۔ ہر زمانہ اور ہر ملک کے حالات کے لحاظ سے فقہا اور دیانت اپنے اصل قوانین سے سوسائیٹی کی ہر ضرورت کے لئے مسائل مستخرج کرتے اور سوسائیٹی کی ضروریات کو پورا کرتے رہے ہیں۔

اجزاء دوم وسوم ان دونوں قوانین کے متبعین کے پاس ایسے ہی موجود رہے ہیں جیسے کہ حالیہ کسی نظام حکومت میں۔ کون مسلم یا ہندو مملکت ایسی رہی ہے جس میں عاملانہ اختیارات کو مملکت کے باشندوں کی فلاح وبہبود کے لئے استعمال کرنے والی جماعت نہ رہی ہو؟ یا ایسی جماعت کے مقاصد صلاح وفلاح ملک کے سوائے کوئی اور تھے؟ یا کون مسلم یا ہند و مملکت ایسی رہی ہے کہ جس میں عدلیہ کی جانب سے کبھی کوئی بے توجہی کی گئی ہو؟ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں نظامات قانوں میں عدل وانصاف پر جو زور دیا گیا ہے وہ کسی اور نظام میں نہیں دیا گیا۔ آج کے تمام نظامات عدلیہ میں انصاف کوئی چیز نہیں۔ قطع نزاع ہی انصاف ہے۔ مسلم ہندو نظامات عدلیہ میں قطع نزاع کے علاوہ حق کا دریافت کرنا ثواب و عذاب کے تصور پر مبنی ہے۔ کون مسلمان یا ہندو ایسا ہے جو اپنے قوانین کا پابند رہ کر مدیون سے اس بناء پر دائن کو روپیہ دلانے سے انکار جائز سمجھتا ہے کہ روپیہ لئے ہوئے تین سال سے زیادہ مدت گذر چکی ہے؟ کون مسلمان یا ہندو کسی معاہدہ کو اس بناء پر دیکھتے یا اس پر عمل کرنے سے انکار کرسکتا ہے کہ معاہدہ جائداد غیر منقولہ

سے متعلق اور غیر رجسٹری شدہ ہے؟ کون مسلمان یا ہندو ایسا ہے کہ جو زنا کی اس تعریف کو صحیح سمجھتا ہے جو تعزیرات ہند یا تعزیرات آصفیہ میں کی گئی ہے؟

اس صورت میں مغربی قوانین کے دساتیر کے پیچھے پڑے رہنا یہ جانتے ہوئے کہ وہ ہمارے حیات اجتماعی۔ طریقہ حکمرانی۔ سوسائٹی کے تصورات اخلاقی عادات واطوار۔ اور رسم ورواج سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ کیا ہمارے لئے موجب فلاح ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں ہو سکتا تو پھر ہم کس دستور حکومت کو اختیار کریں۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ غالب اقوام نے مغلوب اقوام کو اپنے قوانین اور اپنے تصورات پر چلایا۔ یہی حال آج ہمارا ہے۔ لیکن جہاں اہل ہند اپنی آزادی کا مطالبہ بلند آہنگی سے کر رہے ہیں اور ملک کے لئے ایک ایسا دستور وضع کرنا چاہتے ہیں جو ملک کے بسنے والی تمام قوموں کی زندگی پر پر موثر ہوگا تو کیا یہ ان کا فریضہ نہیں ہے کہ وہ ایک بار اس پر غور کریں کہ ان کے لئے آیا ایسے قوانین جن کو وہ قوانین الہی تصور کرتے ہیں مناسب ہونگے یا ایسے قوانین جو ہمارے مزاجوں۔ طبائع عادات۔ اخلاق اور رسم ورواج سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے؟ میں ہندوستان کیلئے کوئی دستور تجویز کرنے سے احتراز کروں گا ہندوستان کے بڑے بڑے مفکر اور دستور ساز دماغ اس میں مصروف ہیں اور یہ کام ان کا ہے کہ وہ اپنے الہی قوانین کی نسبت یہ سمجھیں کہ وہ صرف انسان اور اللہ کے مابین تعلقات کے لئے ہیں

اور انسان کے مابین تعلقات کے لئے نہیں یا یہ سمجھیں کہ وہ دونوں کے لئے کافی ہیں لیکن میں اس قدر ضرور عرض کردوں گا کہ جو دستور مملکت آپ اپنے اختیار کریں اس کا ماخذ وہ الٰہی قوانین ہوں جن کے احترام کے لئے آپ زندہ رہنا اور جن کے عدم احترام پر جان دیدینا اپنی نجات کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ آیا یہ قوانین حالات حاضرہ میں کسی دستور کا ماخذ بن سکتے ہیں اس سے میں آج بحث نہیں کرنا چاہتا انشاءاللہ کسی قریبی صحبت میں ایسے دستور کا پورا خاکہ آپ حضرات کے غور و فکر کے لئے پیش کرونگا۔

حضرات کرام جنگ۔ ہندوستان کی سیاسیات۔ حیدرآباد کی آزادی۔ اور آئین کے عنوانات پر میں نے آپ کا کافی وقت لیا۔ اس خطبہ کے ختم کرنے سے پہلے ہمیں اس نظم و نسق پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے جس کے تحت ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جو قوم آزادی کی دلدادہ ہو اس کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کے ملک کا نظم و نسق حقیقی معنوں میں قومی اور مفاد عامہ کے لیے ہو مجھ سے پہلے مختلف سیاسی اداروں کے صدور نے حیدرآباد کے نظم و نسق پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ مجلس اتحادالمسلمین نے بھی بعض مواقع پر ہمارے نظم و نسق کے خلاف آواز ضرور بلند کی ہے کسی ملک کی عاملہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ نظم و نسق کی پالیسی ایسی ہونی چاہئے جس کو عامتہ الناس اپنی بہبودی اور فلاح کا موجب سمجھتے ہوں۔ عامتہ الناس کے خیالات اگر نظم و نسق کے لئے برے ہوں لیکن وہ جماعت جس کے ہاتھ میں ایسا نظم و نسق ہو اپنی پالیسی اور اپنے اختیارات کے استعمال کو اپنی طور پر

سرا ہے تو یہ اس کی خوبی کی کوئی دلیل نہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے عاملہ کا بھی یہی حال ہے۔ دوسرا معیار۔ عاملہ جماعت کی خوبی کا یہ ہے کہ اس کی پالیسی اہل ملک کے ضروریات اور احتیاجات کو پیش نظر رکھکر اہل ملک کے جذبات سے واقف ہونے کے بعد معین کی جائے۔ ایک کرڈڑ چالیس لاکھ کی آبادی کے ملک میں درجن دو درجن افراد سے بھی کم کی کوئی جماعت ایسی ہو جو ملک کے حالات اہل ملک کے خیالات انکی ضروریات سے ناواقف رہ کر اپنے خیالات اور اپنی عقل فہم کا رائے عامہ کو پابند کرنا چاہئے تو میں نہیں سمجھتا کہ ایسا نظم ونسق کامیابی کے کسی کمترین درجہ پر بھی چلایا جاسکتا ہے۔ میرا منشاء اس سے لازماً پارلیمنٹری طریقہ ہائے حکومت کی طرف لے جانا نہیں ہے۔ میں نے ایک سے زیادہ مرتبہ اپنے اس خیال کا اظہار کر دیا ہے اور خود اس خطبہ کا اہم جزو یہی ہے کہ مغربی طرز حکومت اور نام نہاد ڈیموکراٹی ادارے اچھی حکومت کیلئے ضروری نہیں ہیں لیکن مقصود بالذات اچھی حکومت ہے کیا یہ امر تعجب انگیز نہیں کہ ہماری حکومت نے پاس نظم ونسق کی اصلاح کے لئے مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ کی وہ تجاویز جو اس کے سالانہ جلسہ میں ستر ہزار کے مجمع کی متفقہ آواز کے ساتھ اس کے آگے پیش کی گئی تھیں حکومت کے لئے قابل توجہ بھی نہ قرار پائیں؟ یہ تجاویز متعلقہ محکمہ جات میں روانہ کردی گئی تھیں۔ کیا محکمہ جات سرکاری ایسے پبلک ادارے نہیں ہیں جو پبلک کی اصلاح و فلاح کے لئے کام کررہے ہیں؟ کسی تجویز پر توجہ اور عمل کرنا تو

ایک طرف ان میں سے کسی محکمہ نے تجاویز کے وصول ہونیکی اطلاع تک بھیجنے والے کو نہیں دی۔ جو نظم ونسق عوام کے مطالبات کو اس بے دردی سے ٹھکرا دے وہ کس طرح یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ عوام کے ضروریات کو پیش نظر رکھکر اور ان سے واقفیت تامہ حاصل کر کے عوام کی فلاح وبہبود کے لئے چلایا جا رہا ہے۔ کیا یہ خیال بالتعمیم صحیح ہوسکتا ہے کہ ہر عام اور سیاسی ادارہ کی آواز محض برسر اقتدار اشخاص کے اعمال وافعال کے خلاف محض شورش پسندانہ قرار دے کر بے توجہی سے دیکھی جائے؟ کیا ان افراد نے جن کے ہاتھوں میں حسن اتفاق یا سوئے اتفاق سے اقتدار آگیا ہے تدبر اور فراست کا ٹھیکہ لے لیا ہے؟ کم از کم اس ملک کے حکومتی افراد میں ہزاروں کو باستثناء چند ہم اسی خیال کا پاتے ہیں۔ مختلف شعبہ جات نظم ونسق کے اندرونی معاملات پر ایک نظر ڈالئے تو یہ دردانگیز حقیقت آشکار ہوگی کہ اس کے چلانے والے خوش قسمت اشخاص کے پیش نظر ملکی ملی خوشحالی کے بجائے شخصی اور ذاتی مفاد زیادہ ہے۔ ہماری پبلک سروس ذی اقتدار اشخاص کے متعلقین سے بھری پڑی ہے۔ اہلیت اور قابلیت کی بہ نسبت احسان، سلوک، مصالح اور امداد اس کے لئے بہتر معیار بنے ہوئے ہیں۔ بعض محکموں کے طرز عمل کی نسبت عام رائے یہ ہے کہ کوئی آزاد خیال اور مفاد عامہ کو پیش نظر رکھنے والے کسی شخص کیلئے ان میں گنجائش ہی نہیں ہے ایسے اشخاص کسی نہ کسی الزام کا شکار ہو جاتے ہیں۔ علیحدگی اور قبل از وقت وظیفہ ان کے لئے منتظر رہتے ہیں۔ ان

محکموں میں ایسے ایسے اشخاص بھرے ہوئے ہیں جو مفاد عامہ کی بجائے افسر سررشتہ کے چشم و ابرو کے اشارے کے تابع ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال بہت زیادہ غلط نہیں ہے۔ دوسرا عام خیال یہ بھی ہے کہ ہماری مملکت میں عمال مملکت کے مشاہروں کا تناسب مملکت کے محاصل کے مقابلہ میں غیر معمولی طور پر بلند ہے اور مختلف قسم کے اواؤنس (Allowances) جن کی عطا کی خوبی یہ ہے کہ وہ ایسے ہی اشخاص کو عطا کئے جاتے ہیں جن کو ان کی ضرورت نہ ہو ان مشاہرں پر متنزاد ہوتے ہیں۔ پبلک نقطہ نظر سے مشاہروں کا معیار اس سے بلند نہ ہونا چاہیئے کہ صاحب خدمت اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایک معیاری زندگی معاشی بے فکری کیساتھ بسر کرے۔ نہ یہ کہ ملازمت دولت اکھٹا کرنے کا ذریعہ ہو جائے۔ ملازم کسی ضرورت کے پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے شخصی ضروریات کے رفع کرنے کے لئے ملازمتیں شائد دنیا کے کسی ملک کے نظم و نسق میں وضع نہیں کی جاتیں۔ حیدرآباد کی یہ حالت نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی زبان زد خاص و عام ہے۔

ملک کی معاشی پستی کے ارتفاع کے لئے اگرچہ بعض معاشی قوانین ملک میں ابھی ابھی نافذ کئے گئے ہیں لیکن یہ ہماری زبون حالی کا صحیح علاج ثابت ہوں گے۔ زمانہ کی کسوٹی آیندہ ہمیں تبلائے گی۔ لیکن یہ سارے قوانین بجز قانون قرض دہندگان کے کاشتکار طبقہ کے لئے ہیں۔ ملک میں تعلیم یافتہ بے روزگاری روز افزوں ہے اور جب تک ہمارے ملک میں اسکی

معدنی و زرعی دولت کے استفادہ کی جانب صحیح توجہ کر کے صنعتی اداروں کو ترقی نہ دی جائے ملک کا تعلیمیافتہ بیکار طبقہ کسی طرح سے کام پر نہیں لگایا جاسکتا۔ ہمارے سینکڑوں طیلسانین سائینس اور ریاضیات کے طیلسان حاصل کرنے کے بعد زندگی میں اپنے لئے مدرسی کے پیشہ کے سوائے کوئی دوسرا میدان نہیں پاتے اور اس پیشہ میں معدودے چند کے سوائے کھپائے نہیں جاسکتے۔ ملک میں جو چند صنعتی ادارے اس وقت برسرکار ہیں ان کے نظم و نسق میں اہل ملک کو بہت کم دخل ہے۔ میرا اشارہ بالخصوص کارخانہ جات پارچہ بافی اور سمنٹ کی صنعت کی جانب ہے۔ آج جہاں شولاپور۔ بمبئی احمدآباد۔ اور کوئمبتور کے کارخانہ جات پارچہ بافی (Doubt-Shift پر کام کر رہے ہیں اور ان کے حصص کی قیمت اصل قیمت سے گئی گنی زیادہ ہے ان کے منافع عوام کے لئے جاذب نظر ہیں وہاں نانڈیڑ کی عثمان شاہی ملز کے حصص کی قیمت سالہا سال سے اپنی اصلی قیمت سے گر کر ساٹھ پر آگئی ہے اور سالہا سال کے بعد شاید فی حصہ ایک روپیہ منافعہ کا اعلان سال گذشتہ کیا گیا۔ اس کے اسباب عوام کے نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن ان سے یہاں بیان کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ سمنٹ کمپنی کے منفعت بخش کاروبار (Amalgamate) کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی لیکن اس کے مصالح بھی عام حصہ داروں کی نظروں سے پوشیدہ ہی رکھے گئے۔ اور اب تو اس کی رجسٹری ممالک محروسہ کے قانون کے تحت منسوخ کر کے اس کی مسدودی کا اعلان بھی کیا جاچکا ہے۔ معادن زغال سنگریٹی کے ٹھیکہ

کی مدت غالباً قریب الختم ہے جو رائلٹی Royalty کمپنی کی جانب سے حکومت کی ملتی ہے وہ فی ٹن کوئلہ کی قیمت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی ریلوے کے کارخانوں میں ملک کا کوئی طبقہ اگر اپنی معیشت حاصل کر سکتا ہے تو وہ صرف مزدور طبقہ ہے۔ معیشت کے یہ سارے میدان ملک کے تعلیمیافتہ طبقوں کے لئے کیوں بند ہیں؟ میں جانتا ہوں کہ میرے اس سوال کا جواب ایک چھوٹے سے جملے میں دیا جا سکتا ہے کہ یہاں Technicians کی ضرورت ہے لیکن اس سے حکومت اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ حکومت کو ایسے تدابیر اختیار کرنا چاہئیے کہ ملک کا تعلیمیافتہ طبقہ زیادہ سے زیادہ صنعتی میدانوں میں کام الگ سکے۔

بدقسمتی سے تاجر پیشہ کے بھی وہی افراد اپنی تجارت کو فروغ دے سکتے ہیں۔ جو ارباب اقتدار کی نظر عنایت کے مورد بن سکتے ہیں اور ایسی نظر عنایت کی مورد بننے کے ذرائع شاید عام اور خوددار اشخاص اختیار نہیں کر سکتے

قومی تعمیر کے لئے ضرورت ہے کہ سرکاری اور غیر سرکاری قومی زندگی کے ہر شعبہ کے افراد اپنی زندگی اور اپنے ذرائع زندگی کو Nationalise یعنی قومی بنیادوں پر قایم کریں۔ افراد کی خوشحالی اور سرمایہ داری اقوام کی مفلسی اور بدحالی کا پیش خیمہ ہو جاتی ہے اور یہی قومی نکبت اور افلاس کا باعث ہے۔ اور جو حکومت ان خطرات سے واقف ہو کر ان کے ارتفاع کا ایک نظام العمل قومی نقطہ نظر سے مرتب کر کے کام نہ کرے یقیناً قومی اور اچھی حکومت نہیں کہی جا سکتی۔ اس خصوص میں حکومت ہی کو مطعون کرنے

میں ہم حق بجانب نہیں ہوں گے۔ اگر ہم ملک کے نوجوانوں کو مخاطب کر کے یہ نہ کہیں کہ وہ اپنی زندگی کا لائحہ عمل ایسا مرتب کریں جس پر گامزن ہو کر وہ قومی عمارت کو استوار بنیادوں پر قایم کر سکیں۔ شخصی دولت عہدوں کا لالچ ہمارے نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد کو مایوسیوں سے دو چار کر کے ان کی زندگی کی تباہی کے اسباب پیدا کر رہا ہے۔ مجھے یقین ہے ہمارے نوجوان ملازمتوں کا تعاقب ترک کر کے صنعتی اور تجارتی میدانوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

میں نے کافی وقت آپ حضرات کی سمع خراشی کی جس کے لئے میں سوچ رہا ہوں کہ آپ سے معذرت کر دوں یا نہ کر دوں۔ اگر اس خطبے سے آپ کی واقفیت وبصیرت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تو مجھے اس تضییع وقت کے لئے معاف فرمائیں۔ لیکن آپ کے معلومات میں اس سے کچھ بھی اضافہ ہوا ہے تو معذرت کی بجائے میں خواہش کروں گا کہ اب میرے ساتھ بصمیم قلب اس دعا میں شریک ہوں کہ۔ باری تعالی جلالتہ الملک حضرت آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے سایہ عاطفت میں جن کا مبارک دور حکمرانی ہم سب کے لئے ہر جہتی ترقی کے لئے درخشاں زمانہ ہے ہم کو کامل تنظیم اور ضبط نفس عطا فرما کہ ہم اپنے بلند مقاصد کو حاصل کر کے ایک آزاد قوم کی منفتح و معزز زندگی بسر کر سکیں۔ آمین۔

خطبۂ صدارت

جسے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ ۱۳۵۵ھ کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۳۔۱۴۔ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ بمقام دارالسلام حیدرآباد دکن ارشاد فرمایا کہ :۔

ساری تعریف اُس خدائے قدیر و قیوم کو سزاوار ہے جس کا تخت عظمت و جلال ہمیشہ سے آراستہ ہے اور ہمیشہ آراستہ رہے گا۔ اور جس کی بارگاہ عزو وقار میں صرف ان افراد اور قوموں نے جگہ پائی جنھوں نے نتائج اعمال کا یقین رکھا اور عمل صالح کو شعار بنایا۔ اور جس کے آستانۂ مقدس سے وہ دھتکار دیئے گئے وہ جو کچھ نہ کرکے سب کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جسکی قرب و نزدیکی کا مقام صرف انہی کو نصیب ہوا جنھوں نے اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹایا اور اسکی مسند الوہیت سے خلت و دوستی کا مرتبہ انہی کو عطا ہوا جنھوں نے اس کے لئے اپنے لخت جگر اور خون دل تک کی پرواہ نہ کی۔ درود و سلام اُس

افضل الرسل اور سید الانبیا پر جس نے ہم مسلمانوں کے لئے سنت ابراہیم کو ایک مستقل وظیفۂ حیات قرار دیا اور دین حنیف کو زندگی دوام عطا کی۔

صدر صاحب و ارکان مجلس استقبالیہ محترم خواتین و معزز حضرات!

دنیا میں یوں تو عزت و سربلندی کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں لیکن میں سب سے زیادہ سرمایۂ نازش و افتخار اس عزت کو تصور کرتا ہوں کہ کسی ایک کی قوم اور جماعت اعتماد کرے اور اپنی اجتماعی زندگی میں سیادت و صدارت کا منصب عطا کرے میرا سر تشکر اس عزت افزائی پر اظہار امتنان کے لئے آپ کے آگے خم ہے میں زبانی شکریہ کا قائل نہیں ہوں میری دعا ہے کہ خدا مجھے عملاً آپ کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق عطا کرے اور میری زندگی کا مستقبل اس کے ماضی سے زیادہ آپ کے اطمینان و اعتماد کے قابل ثابت ہو۔

جنگ اور اس کے عواقب

حضرات! زمانہ کی گردشوں نے شائد ہی کبھی ایسے لیل و نہار پیدا کئے ہونگے جن سے آج آپ اور ہم گزر رہے ہیں علم و حکمت کی فراوانی نے دنیا میں وسعتوں کو ایک دوسرے سے جس قدر قریب کیا دنیا کے معاملات اتنے ہی زیادہ پیچیدہ اتنے ہی زیادہ پریشان کن اور اتنے ہی زیادہ لاینحل ہوتے گئے معیار حیات کی بلندی احتیاجات انسانی کی کثرت اور تصورات انسانی کی وسعتوں نے ہر زبان سے ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کی صدائیں بلند کرائیں دنیا میں نئے نئے سیاسی مذہب پیدا ہوئے اور ان میں سے ہر ایک نے اور گیتی کو اپنے بس میں لینے کی کوشش کی گزشتہ بیس سال میں انسانی فکر سیاسی نے جتنے بچے پیدا کئے شائد ہی تاریخ کے

کسی اور دور میں پیدا ہوئے ہوں۔ اشتراکیت، اشتمالیت، نازیت، فاسطیت اور گاندھیت ان میں سے ہر ایک آج متعلم سیاسیات کے لئے مرکز فکر و نظر بنا ہوا ہے ایک عالمگیر جنگ سے دنیا نے بیس برس پہلے نجات پائی تھی اور دوسری عالمگیر جنگ آج صفات انسانیت کی تباہی کا سامان پیدا کر رہی ہے مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں کرتی ہے کہ دو متحارب فریقوں میں کون برسر حق ہے لیکن مجھے یہ ضرور دیکھنا ہے کہ اس عظیم الشان جنگ کے نتائج و عواقب ہندوستان اور حیدر آباد پر کیا مترتب ہوں گے۔ کوئی سمجھدار آدمی بھی اٹلی۔ جرمنی اور روس کے درندہ صفت اقدام کو گوارہ نہیں کر سکتا جو اس عرصہ میں حبشہ، البانیہ، آسٹریا، زیکوسلواکیہ۔ پولینڈ اور فن لینڈ میں کیا گیا اس جنگ میں ہماری ساری ہمدردیاں اور اعانتیں صاف ظاہر ہے کہ اسی فریق کو حاصل ہو سکتی ہیں جو تحفظ انسانیت اور ایفار عہد کے لئے برسر پیکار ہو ایک حیدر آبادی جب کہ اعلیحضرت بندگان عالی تاج برطانیہ کے حلیف اور یار وفادار ہیں فرداً فرداً اپنے آپ کو برطانیہ کا حلیف اور یار وفادار تصور کرتا ہے اور جب کہ اعلیحضرت متعد کا تعالی نے سلطنت برطانیہ کی اعانت کا وعدہ فرمایا ہے ہر ایک مسلمان اس وعدہ کی تکمیل کا ذمہ دار متصور ہو گا۔

لیکن جو سوال کبھی کبھی حیدر آبادی مسلمانوں کے دل میں کھٹک جاتا ہے اور ان کو بےچین کر دیتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان کی بے ریا مخلصانہ اور وفادارانہ دوستی کا تاریخ کے ہر دور میں ان کو کیا صلہ ملا اور آئندہ وہ کیا توقع رکھ سکتے ہیں؟

ہندوستان کے مستقبل میں حیدرآباد کی حیثیت :۔

باوجود اس کے کہ کانگریسی وزارتوں نے استعفار دیدیا اور فی الحال کانگریسی صوبوں میں ۱۹۳۵ء کا دستور معطل ہے اور باوجود اس کے کہ مسلم لیگ بجا طور پر کانگریس سے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی طلب گار رہے اور اس وقت تک تعاون عمل کرنے کو تیار نہیں جب تک کہ اس کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم نہ کر لیا جائے اور پھر باوجود اس کے کہ برطانوی حکومت گذشتہ چند ماہ میں اپنے ارادوں میں مضبوط اور مستقل نظر آتی رہی ہے سیاسیات حاضرہ کا متعلم مستقبل کے پردوں میں ہندوستان کے لئے مقبوضاتی مرتبہ کو چھپا ہوا دیکھ رہا ہے۔ یہ امر میرے موضوع سے الگ ہے کہ کانگریس اپنے اس ڈھائی سالہ دور حکومت میں مسلمانوں کے تحفظ حقوق سے قاصر رہی یا نہیں، مسلمانوں پر کانگریسی صوبوں میں زیادتیاں ہوئیں یا نہیں مسلمانوں کو آزادی کی اس جنگ میں غیر مشروط طور پر کانگریس کا ساتھ دینا چاہیئے یا اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ کیا ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہندوستان میں قائم ہونے والی مقبوضاتی حکومت اپنے آپ کو دیسی ریاستوں کے مقابلہ میں تاج برطانیہ کا قائم مقام تصور کرے۔ اور ریاستوں سے خواہش کرے کہ وہ اس کو اپنا اقتدار اعلیٰ تسلیم کریں۔ مسٹر گاندھی اور دوسرے

کانگریسی زعماء کے متعدد بیانات اور ان کی اسی تمنا پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن کانگریس کے ارباب اقتدار کو واقف ہو جانا چاہیئے کہ حیدرآباد اپنی تاریخ کے ہر دور میں ایک آزاد سلطنت رہا ہے اور آئندہ بھی ایک آزاد سلطنت رہے گا اور سلطنت برطانیہ کے ساتھ اس کے دوستانہ اور حلیفانہ تعلقات ایسے نہیں ہیں جو ایک سے دوسرے کے ہاتھوں فروخت یا منتقل کیئے جائیں۔ اگر تاج برطانیہ ہندوستان کی سیاست میں کسی ایسی تبدیلی کو گوارہ کر لیتا ہے جو جو ہندوستان میں اس کے اقتدار کی قلت کا باعث ہو اور وہ اپنے حلیف یعنی حیدرآباد کے ساتھ کیئے ہوئے معاہدات کی تکمیل کے قابل نہ رہے تو اس کا پہلا فریضہ یہ ہوگا کہ وہ ساری ذمہ داریاں جو حیدرآباد کی طرف سے اس نے اپنے اوپر لی تھیں حیدرآباد کو واپس کر دے۔

سر اسٹافرڈ کرپس نے ہندوستانی سیاست کے میدان میں چاہے جتنی ٹھوکریں کھائی ہوں لیکن اقتدار اعلیٰ کی تبدیلی سے متعلق ان کا یہ جملہ داد تحسین حاصل کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ "تاج برطانیہ کا اپنی پیرا مونٹسی کو کانگریس کے تفویض کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس کو جاپان کے تفویض کر دے۔"

اگر اس جنگ عظیم کا نتیجہ یہی ہے کہ دو سو سال کا غلام ہندوستان دنیا میں پھر ایک مرتبہ زیر سرپرستی تاج برطانیہ آزادی کی سانس لے تو اس کا دوسرا لازمی نتیجہ یقیناً یہ ہونا چاہیئے کہ حیدرآباد نے جتنے

اقتدارات، ذمہ داریاں" اور جتنے علاقہ جات و مقبوضات تاریخ کے مختلف دور میں اپنے حلیف کے تفویض کئے تھے وہ سب بلا کسی شرط کے اس کو واپس کر دیئے جائیں۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنے ہوں گے کہ ایک طرف حیدرآباد کے جغرافیائی حدود میں برار شمالی سرکار اور مچھلی پٹم داخل ہوں گے اور دوسری طرف حیدرآباد ایک آزاد اسلامی سلطنت کی حیثیت سے آزاد ہندوستان اور دنیا کے دوسرے آزاد ممالک سے اپنے سیاسی تعلقات قائم کرنیکا مجاز ہوگا۔ داخلی امور کے سلسلہ میں ہم کو کامل اطمینان ہے کہ ہماری آزادی میں کوئی مداخلت نہیں ہوسکتی اگر صدارت عظمیٰ یا وزرار کونسل کے عزل و نصب میں ہماری کامل آزادی کا دامن کسی مشورت یا مداخلت سے الجھ رہا ہو تو ہم اس کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتے۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین حیدرآباد کی داخلی آزادی کے بارہ میں بالکلیہ مطمئن ہونا چاہتی ہے۔

حیدرآباد کی آزاد مملکت کے درجہ کے حصول کا مسئلہ جس قدر اہم ہے یہ ہم جانتے ہیں کہ اس کے حصول کے لئے وقت درکار ہے لیکن حیدرآباد کے نظم و نسق اس کے وزارء کے عزل و نصب اور دیگر داخلی معاملات میں ہم پر جو قیود، مشورت و رضامندی کی صورت میں عائد ہیں اس سے اس وقت حیدرآباد کی عام رعایا اس قدر مضطرب اور بیچین ہے کہ اس کا اظہار میں آج کے اس اہم موقع پر ضروری سمجھتا ہوں

ابتداءً یہ مسئلہ اعلیٰحضرت غفران مکان کی طفولیت کی وجہ سے نواب سر سالار جنگ اول کے زمانہ کمسنی میں پیدا ہوا تھا لیکن بعد ازاں اس کو ایک عملدرآمد کا درجہ دیا گیا اعلیٰحضرت بندگان عالی مدظلہ العالی کے سریر آرائے سلطنت ہونیکے بعد اس اختیار اصلی کو حضرت اقدس و اعلیٰ نے بڑی حد تک آزادی کے ساتھ استعمال فرمایا۔ لیکن بعض غیر مآل اندیش وزراء اعمال سلطنت کے طرز عمل کی بنا پر اور زیادہ تر اس غلط اور جھوٹے دعائیہ کو بنیاد بنا کر جو معاندین حیدرآباد کی جانب سے کیا جاتا رہا وزراء کے عزل و نصب پر صرف پانچ سال کے لئے مشورہ کی قید عاید کی گئی لیکن یہ پانچ سال منقضی ہوئے بھی آج تقریباً نو سال ہوتے ہیں۔ اور ہم کوئی وجہ نہیں پاتے کہ ہماری اس فطری اور قانونی آزادی پر قیود عائد کئے جائیں تخت و تاج آصفیہ اور رعایائے آصفیہ نے ہمیشہ سلطنت برطانیہ کا ساتھ دیا اور میں آج تمام رعایا کی جانب سے یہ آواز بلند کر سکتا ہوں کہ حدود مملکت کے اندر حضرت جہاں پناہ کی ذات اور ان کے وزراء اور عمال آج بھی اس کو اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ قیود بدستور باقی رہیں میں ملک کی اور بالخصوص مسلم جماعت کی ترجمانی کر رہا ہوں اور یہ عظیم الشان اجتماع میرا ہمنوا ہے کہ حکومت برطانیہ کو مزید وقت ضائع کئے بغیر ان امور پر غور مکرر کرنا چاہئے اور اپنے ایسے حلیف کے ہاتھوں کو آزاد چھوڑ دینا چاہئے۔ جس نے ابتداء قیام حکومت برطانیہ سے آج تک اپنے حلیف کے ساتھ اچھے برتاؤ کو اپنا شعار بنا رکھا ہو۔

اعلیٰحضرت ہز مجسٹی ہیں۔

اس سلسلہ میں چند اور امور کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں
کہ بہی خواہان سلطنت آصفیہ نے خصوصاً اور ہندوستان کے سارے
مسلمانوں نے عموماً برسوں سے اس تمنا کو اپنے سینوں میں پرورش کیا ہے
کہ وہ اعلیٰحضرت بندگانعالی کے اسم گرامی کے ساتھ ہز مجسٹی یا جلالتہ الملک کے
الفاظ استعمال کریں۔ اس کے لئے جس کسی نے کوئی آواز بلند کی تو اس نے
اپنے نزدیک غلط طور پر یہ تصور کرلیا کہ اعلیٰحضرت کی ذات
گرامی اپنے القاب وخطابات کے لئے کسی کی اجازت و عطا کی پابند
ہے، میں جہاں تک حیدر آباد کی تاریخ اور اس کے معاہدات پر نظر ڈالتا
ہوں اعلیٰحضرت کو اس لقب کے اختیار کرنے میں کسی کی اجازت و
رضامندی کا پابند نہیں پاتا اور کوئی وجہ نہیں سمجھتا کہ مسلمانان دکن بلکہ
مسلمانان ہند آج ہی سے اعلیٰحضرت کو ہز مجسٹی یا جلالت الملک کے لقب سے
کیوں نہ یاد کریں۔ بعض مستند روایات کے مطابق آصف جاہ رابع نے
اس وقت جبکہ اکبر و عالمگیر کے نسلی ونسبی جانشین تخت دہلی کو زینت
دے رہے تھے۔ اپنے اعلان خود مختاری کے باوجود ہز مجسٹی کا لقب اختیار
کرنے کو شان وفاداری کے خلاف تصور کیا تھا۔ لیکن آج سارے
ہندوستان میں اگر کوئی لفظ اور معنی کی پوری صحت کے ساتھ
شہنشاہان مغلیہ کے جانشین اور ہندوستان میں ہز مجسٹی کے لقب کی

مستحق ہوسکتی ہے تو وہ آصف جاہی سلاطین ہی کی ذات ہوسکتی ہے ڈیڑھ لاکھ مربع میل پر حکومت کا استحقاق رکھنے والا اور دو کروڑ نفوس انسانی کی بادشاہت کا حقدار کسی شپرہ چشم اور کوتاہ بین کی نگاہوں میں ہی ہزمجسٹی یا جلالتہ الملک سے کچھ کم ہوسکتا ہو تو ہو لیکن میرے نزدیک اس کو اس سے کچھ کم تصور کرنا آفتاب کو مشتری سمجھنے کے برابر ہے۔

لہذا میں مسلمانان ہند سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آج سے اعلیٰحضرت بندگانعالی کو ہزمجسٹی یا جلالتہ الملک کے لقب سے یاد کیا کریں۔ مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ جب میں اپنی حکومت کے ذمہ دار افراد کو حیدرآباد کے لئے ریاست کا لفظ استعمال کرتے ہوئے دیکھتا ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ میں حکومت کو یقین دلاتا ہوں کہ حیدرآباد کا ہرایک مسلمان حیدرآباد کی عظمت و وقار کو اب پوری شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگا ہے وہ حیدرآباد کو صحیح معنی میں ایک خودمختار ہرقسم کی مداخلتوں سے پاک اور آزاد بادشاہت و سلطنت دیکھنا چاہتا ہے جو اپنے دوستوں کا آڑے وقت میں ہاتھ بٹا رہی ہو اور دستگیری کر رہی ہو۔ یہ امر مسلمانان حیدرآباد کی طمانیت اور تسکین کا باعث ہوا کہ وفاق کا مسئلہ جنگ کے دھوئیں میں گم ہوگیا۔ حیدرآبادی مسلمانوں کو یقین ہے کہ ہندوستان کا جو بھی دستور آئندہ مرتب ہوگا اس میں حیدرآباد اپنی تاریخی حیثیت اور معاہداتی مرتبہ کے لحاظ سے اس طرح آزادانہ اور خودمختارانہ حصہ

ے گا جو اس کی انفرادی حیثیت کو اپنی پوری خصوصیات کے ساتھ برقرار رکھے گا۔

جمہوریت کی حقیقت اور اسلامی نقطۂ نظر۔

ربع مسکون میں شاید ہی کوئی براعظم ایشیا سے اور ایشیا میں شاید ہی کوئی ملک ہندوستان سے زیادہ بادشاہت پرست رہا ہو۔ دوسری جگہ تاریخ قدیم میں بادشاہوں کی حیثیت قائد یا زعیم ملت کی رہی لیکن ہندوستان نے ہمیشہ ان کو خدائی عظمت و جلال کا مظہر سمجھا اور اکثر صورتوں میں اپنے بادشاہ کی پرستش کی۔ مسلمان جب سے ہندوستان میں آئے اور ان کا عقیدہ توحید جب سے یہاں متعارف ہوا بادشاہ اگر خدائی کے مرتبے سے اترے تو بھی "ظل اللہ" ضرور ہے۔ آج بھی ایک راسخ العقیدہ ہندو کے نزدیک بادشاہ کو دیکھ لینا عبادت ہے۔ اسی عقیدہ نے شہنشاہان مغلیہ کو جھروکہ میں برآمد ہونے اور درشن دینے کا عادی بنا دیا تھا۔ موجودہ زمانہ میں جب کہ کانگریس کے جلیل القدر لیڈر بھی اپنی مذہبیت اور تعلیمات وید کی پابندی کے دعویدار ہیں اور جمہوریت کا اصول ہندوستان میں زیادہ مقبول ہوتا جا رہا ہے تو اس کی وجہ میرے خیال میں اس اصول کی خوبی یا اس کا صحیح طریقۂ حکومت ہونا نہیں ہے۔ میں نے جہاں تک غور کیا اپنے مذہب پرست ہندو بھائیوں کو محض دو وجہ سے جمہوریت کا پرستار دیکھتا ہوں ایک تو یہ کہ انہوں نے اپنے

مالکوں اور آقاؤں کو جمہوریت کی سرپرستی کرتا ہوا دیکھا اور یہ محسوس کیا کہ انکی ذہنیت کو اگر کسی طرح متاثر کیا جا سکتا ہے تو جمہوریت کے نام ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ اور یوں بھی خود انگریزوں نے اپنے پروردگان آغوش کو غلطی سے یا صحیح طور پر جو درس سیاست دیا تھا وہ جمہوریت ہی کا تھا دوسرے اس وجہ سے برادران وطن مائل بہ جمہوریت ہیں کہ وہ ہندوستان کے ماحول میں اس کو اپنے اقتدار اور مسلمانوں سے اپنے انتقام کا بہترین آلہ تصور کرتے ہیں مسلم سلاطین سابق کے اس گناہ عظیم کی وجہ سے انھوں نے قوانین الہیہ کے اجرا و اشاعت اور دین الہی کی نشر و تبلیغ سے زیادہ اپنے اقتدار و حکومت کو پیش نظر رکھا۔ اور ہندوستان میں خدا کے نام کو اس طرح سربلند نہیں کیا جس طرح عرب فاتحان ایران و افغانستان و مصر و شام نے کیا تھا۔ آج ہم بلاد اسلامیہ کے بالمقابل ہندوستان میں نور سے زیادہ تاریکی کو چھایا ہوا دیکھ رہے ہیں جمہوریت سروں کے گننے کا نام ہے اور ہندوستان میں آسانی کے ساتھ مسلمانوں کو ایک اقلیت کہہ کر جمہوریت کے نام پر ان کے حقوق کو پامال کیا جا سکتا ہے یہی اور صرف یہی وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہم آج بادشاہ پرست ہندو کو مائل بہ جمہوریت دیکھ رہے ہیں مجھ پر اور مجلس اتحاد المسلمین پر یا آج کل مسلم لیگ پر بھی جس نے مجلس اتحاد المسلمین کے برسوں بعد اس حقیقت کو پہچانا کہ جمہوریت ہندوستان کے لئے موزوں طریقہ حکومت نہیں ہے یہ الزام دیا جاتا ہے کہ ہم جمہوریت کے مخالف ہیں، میں نے بارہا کہا ہے اور

ایک مرتبہ پھر اس ذمہ دار پلیٹ فارم سے اعلان کرتا ہوں کہ مسلمان فطرتاً حریت و آزادی رائے اور جمہوری تخیل کا طرفدار پیدا ہوا ہے گو اسلامی جمہوریت اور موجودہ اصول جمہوریت میں مشرقین کا بعد ہے لیکن جمہوریت مسلمان کے خمیر میں داخل ہے۔ میں کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ اگر میں ایران، افغانستان اور مصر میں ہوتا تو میرا نعرۂ سیاست جمہوریت کے سوا کچھ اور نہ ہوتا لیکن مجلس اتحاد المسلمین نے بجا طور پر آج سے کئی سال پہلے کہا اور مسلم لیگ آج کہہ رہی ہے کہ ہندوستان ایک ایسی فضا، ایک ایسے ماحول اور چند ایسی حقیقتوں کا سرمایہ دار ہے جن کے ہوتے اس ملک میں جمہوریت صحیح طریق حکومت کا معیار ثابت نہیں ہوسکتی۔

دنیا میں صرف وہی قومیت جمہوریت کے لئے سازگار ہوسکتی ہے جو مشترک نسل اور تمدن کی بنیاد پر تشکیل پائے اور اس کے افراد میں معاشرتی اور مذہبی مقاصد کے علاوہ معاشی اور سیاسی مفادات کے لحاظ سے بھی کامل ہم آہنگی اور یگانگت پائی جائے اس قسم کی مستحکم فطری اور متحدہ قومیت میں اکثریت اور اقلیت کا سوال صرف سیاسی نقاط نظر کے اختلاف نظر سے پیدا ہوتا ہے اور اصولاً وہی جماعت برسر اقتدار آتی ہے جس کو ایک خاص سیاسی عقیدہ معاشی پروگرام کے اعتبار سے تعدادی اکثریت حاصل ہو جائے اور اس کے مقابلہ میں دوسری جماعتوں کو اقلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس بنیاد پر قائم شدہ اکثریت و اقلیت اپنے سیاسی اور معاشی پروگرام کی رو سے

تغیر پذیر ہوا کرتی ہے جو جمہوریت کے اساسی اصول کے عین مطابق ہے۔ مثلاً انگلستان میں عام طور پر نسلی، لسانی، تمدنی، مذہبی، ثقافتی حیثیت سے متحدہ قومیت کا وجود تو پایا جاتا ہے۔ لیکن سیاسی نقاط نظر کے اختلاف نے اس متحدہ قوم کو عمال Labour اعتدالی Liberals اور قدامت پرست Conservatives تین جماعتوں میں منقسم کر دیا ہے ان میں سے وہی جماعت برسر اقتدار آجاتی ہے جو رائے دہندگان کی تائید کے لحاظ سے کثیر التعداد ہوتی ہے، تعداد کی کمی و بیشی اور کثرت قلت سے اقتدار بھی ان جماعتوں میں تبدیل ہوتا رہتا ہے جو عموماً سیاسی اور معاشی نظام کی ترتیب پر منحصر ہوتا ہے اسی طرح اقلیت و اکثریت کی تغیر پذیری نے نہ صرف انگلستان بلکہ یورپ کے بعض دیگر ممالک میں بھی جمہوریت کو کامیاب شکل دے رکھی ہے۔
لیکن ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مجموعۂ اقوام آباد ہو۔، نہ تو اس اصول جمہوریت کا انطباق ہو سکتا ہے اور نہ اکثریت و قلیت کی ان خاص اصطلاحوں کو ہندو برادری کے نقطۂ نظر سے صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہاں اپنی انفرادی حیثیت رکھنے والی چھوٹی بڑی قوموں کے افراد کو شمار کر کے اکثریت و اقلیت کے حدود قائم کئے جا رہے ہیں مذہبی اور نسلی تفریق کی بنا پر ہندوؤں کے مقابلہ میں دوسری تمام قومیں دوامی اقلیتیں ہیں یعنی ان کو کبھی اکثریت میں تبدیل ہونے کا توقع نہیں ایسی صورت میں غلط تعبیر کردہ طریق

حکومت سے اقلیت ہمیشہ فرقہ وارانہ اکثریت کی دائمی غلامی کے باعث استبداد اور دستبرد کا شکار رہتی رہے گی اس قسم کی حکومت کسی معنی میں جمہوریت سے تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ یہ محض نظریات نہیں بلکہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ڈھائی سال سے ہندوستان میں گیارہ غیر حقیقی جمہوریتیں کام کر رہی ہیں لیکن ہر صوبہ میں اقلیتیں اکثریت کی حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہی ہیں۔ اچھوت الگ شور مچا رہے ہیں، مسلمان الگ چیخ رہے ہیں، مسلم صوبہ جات میں خود ہندو غلط ہو کہ صحیح اتلاف حقوق کی شکایات بیان کر رہے ہیں۔ ۲۷ ؍ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے ٹائمز آف انڈیا میں سوباش چندر بوس سابق صدر کانگریس کا ایک بیان شائع ہوا ہے جس میں وہ کانگریس پر وزیر اعظم بنگال کے عائد کردہ الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسٹر فضل حق وزیر بنگال تمام کانگریسی وزارتوں پر جتنے الزامات مسلمانوں کی طرف سے لگا سکتے ہیں ان سے زیادہ بنگال کے ہندوؤں کو حق وزارت سے شکایت ہے۔ یہ بیان صحیح ہو یا نہ ہو مگر اتنا تو بہر حال ظاہر ہے کہ بنگال کی مسلم اکثریت نے ہندو اقلیت کو مطمئن نہیں کیا اور یہی صورت حال دوسرے صوبوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگر ہمارے ہندو بھائی اسی پیش پا افتادہ حقیقت پر غور کریں تو صاف دیکھ لیں گے کہ ہندوستان پر مغربی اصول کے مطابق جمہوریت کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔

میں نے جس اسلامی جمہوریت کا ذکر اوپر کیا اس کا یہ پہلو ان

معترضین کے سامنے واضح نہیں ہے جس کی بنا پر وہ آج مجلس اتحاد المسلمین یا مسلم لیگ کو اعتراضات کا ہدف بنا رہے ہیں اسلام میں سیاسی جمہوریت یا خلافت اس کی معاشرتی جمہوریت پر مبنی ہے وہ اس سوسائٹی میں جمہوریت قائم کرتا ہے جس کے افراد میں اخوت مساوات اور آزادی پائی جاتی ہے یعنی جمہوریت صرف اس قوم میں ہو سکتی ہے جس کے افراد میں ایک رابطۂ دماغی موجود ہو جو مغربی ممالک میں بھی جمہوریت کی ایک لازمی شرط اور بنیادی مفروضہ ہے اسلامی تمدن کے مختلف پہلو آپس میں مربوط اور مشروط ہیں ایک کے بغیر دوسرے کا نفاذ ممکن نہیں۔ اسی لئے ہندوستان میں مسلمانوں کی جمہوریت کے خلاف متحدہ آواز حق بجانب ہے۔

مجلس دستور ساز کے مضمرات

ملک کے موجودہ مسائل میں مجلس دستور ساز کو آج کل سیاسی مفکرین اور صحافتی حلقہ میں بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے، کانگریس کے مہاتما مسٹر گاندھی قوت کے ساتھ اس کی حمایت کر رہے ہیں کہ رائے عامہ کی کامل نمائندگی کے لئے ایسی دستور ساز مجلس کا قیام ضروری ہے جس کے ذریعہ ہندوستان کو اپنے معاملات میں خود انفصالی حق حاصل ہو جائے اس سلسلہ میں مجلس عاملہ کانگریس کی منظورہ تجویز کے دو اہم جزء ہیں پہلا یہ کہ قانون ساز مجلس قانون مرتب کرے گی جسمیں اقلیتوں کے

حقوق کا تحفظ ان کے منشا کے مطابق عمل میں آئے گا۔ دوسرا یہ کہ جن مسائل کا حل باہمی سمجھوتہ سے ناممکن ہو ان کو ثالثی کے سپرد کر دیا جائے۔ ان الفاظ کی روشنی میں تنقیح طلب امور یہ ہیں کہ اگر اقلیتوں کی منشا کے مطابق حقوق کا تحفظ عمل میں آجائے تو جمہوری رائے قطعی قرار نہیں دی جا سکتی اور ما بہ النزاع امور کو ثالثی کے سپرد کر دیا جائے تو خود انفصالی حق باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ دونوں عناصر مجلس قانون ساز میں باقی نہ رہیں تو پھر مجلس کے قیام کا منشا ہی فوت ہو جاتا ہے مجلس کے قیام کے بعد بھی گاندھی جی تسلیم کرتے ہیں کہ ہندو مسلم جماعتوں کے مابین اختلاف ضرور رہو گا۔ اختلاف کی صورت مجلس کے قیام کے بعد بھی باقی رہے تو پھر اس کے قیام کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ موجودہ صورت میں جب کہ دونوں قوموں کی جداگانہ نمائندہ جماعتیں موجود ہیں باہمی سمجھوتہ کا بشرط اخلاص اب بھی امکان پایا جاتا ہے۔

مجلس عاملہ کی تجویز کے مطابق ثالثی کی نسبت سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ ہندوستانی ہے تو اس کی نامزدگی میں اختلاف کو کیا کسی دوسرے ثالث کے تفویض کیا جائے گا۔ اگر یہ دوسرا ثالث ہندوستانی نہیں تو برطانوی حکومت کا فیصلہ یا حکم کیا دوسرے "کمیونل ایوارڈ" کے مترادف نہیں جو باہر سے ہندوستانیوں کے سر تھوپ دیا جائے۔ بہرحال جس قدر اس مسئلہ کے مضمرات پر غور کیا جاتا ہے تشویش اور الجھن بڑھتی جاتی ہے۔ کانگریسی زعماء کو یقیناً اس کا احساس ہے لیکن صرف مسلم لیگ

کے مطالبہ کو نظر انداز کرنے کے لئے اس پر اصرار کیا جا رہا ہے۔ کانگریس جانتی ہے کہ لیگ کو مسلمانوں کا نمائندہ تسلیم نہ کیا جائے تو سمجھوتہ ممکن نہیں اور اگر اس کی نمائندگی کو تسلیم کر لیا جاتا ہے تو کانگریس محض ایک ہندو جماعت رہ جاتی ہے۔ اسی خوف سے کانگریسی زعماء مثلاً جواہر لال، ڈاکٹر راجندر پرشاد اور مسٹر پٹیل نے ایک نرالی روش اختیار کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ملک کے پورے افراد کانگریس میں شامل نہیں اور متعدد مخالف کانگریس جماعتیں موجود ہیں۔ اس لئے کانگریس بھی ملک کی نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ ان کا یہ اعتراف محض ایک سیاسی چال ہے جو مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت سے انکار کرنے کے لئے اختیار کی گئی ہے۔ اگر چند جماعتوں کی مخالفت اور کچھ افراد کی عدم شرکت کے باعث کوئی ادارہ نمائندہ نہیں کہلایا جا سکتا تو پھر مجلس دستور ساز جس میں خود گاندھی جی اختلاف کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں دستور کی تشکیل میں پورے ملک کی نمائندگی کا حق کیونکر ادا کر سکتی ہے؟

گاندھی جی اپنے مقاصد کے حصول میں بار بار صرف اسی مجلس کے قیام کا مطالبہ پیش کر رہے ہیں تاکہ حکومت برطانیہ کو تجارتی اغراض اور دفاع کے سلسلہ میں کچھ تیقنات کے ساتھ راضی کر کے ہندوستان میں ہندو راج قائم کر لیا جائے اور ملک کے ریاستی نظام کو بعجلت ممکنہ برخاست کیا جا سکے۔ بہر حال گاندھی جی کی چالاکی قابل داد ہے کہ وہ ایک ہی نشانہ میں متعدد شکار حاصل کرنا چاہتے ہیں جنہیں والیان ریاست کا اقتدار بھی شامل ہے۔ موجودہ سیاسی مسائل بلاشبہ نہایت پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔

ان پر سنجیدہ غور و فکر کی سخت ضرورت ہے۔ میری تمنا ہے کہ ہمارے نوجوان مسائل حاضرہ کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کریں اور ان خطرناک حالات کا پتہ چلائیں جو ہندوستان کی عظیم تر سیاست میں حیدرآباد کی سیاسی حیثیت کو بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ الجھانے کا باعث بننے والے ہیں مجلس مقامی اور بیرونی ان تمام اداروں کی نقل و حرکت کا بڑی ہوشیاری کے ساتھ مطالعہ کر رہی ہے اور جو ادارے ملک میں فرقہ وارانہ اغراض کی تکمیل میں کوشاں ہیں ان کی نامحمود مساعی سے عامۃ المسلمین کو ایک سے زیادہ مرتبہ خبردار کر چکی ہے۔

اسٹیٹ کانگریس کا نیا روپ

حیدرآباد میں مسلمان کسی ایسے جمہوری اصول اس کے مطالبیا اس کے خیال کو بھی برداشت نہیں کر سکتے جو جمہوریت کا نام لے کر ہندو اکثریت کے اقتدار کو بڑھانے کا باعث ہو، وہ کسی ایسے ادارہ سے تو اشتراک عمل پر غور کر سکتے ہیں جس میں ان کی آواز کو پوری قوت حاصل ہو اور جو یہاں کی مسلم حکومت کو ایماندارانہ مشورہ دینے، رعایا کے جذبات سے صحیح طور پر واقف کرنے اور اس کی ضروریات کو ظاہر کرنے کا کام دے۔ لیکن کسی ایسے ادارہ کو قبول نہیں کر سکتے جو وزراء کی ذمہ داریوں کو مسلم بادشاہ کے سوا غیر مسلم اکثریت کی طرف منتقل کر دے۔ مسلمان انتہائی حیرت اور غصہ کے ساتھ اس بات کو سن رہے ہیں کہ نام نہاد حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس کو صرف نام کی تبدیلی کے ساتھ ذمہ دار حکومت کے مطالبہ اور اپنے

شر انگیز خیالات کی اشاعت کا حیدرآباد میں موقعہ دیدیا جائیگا میں اس
پلیٹ فارم سے اپنی پوری ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے حکومت کو
مطلع کر دینا چاہتا ہوں کہ اس قسم کی کوئی حرکت حیدرآباد کے روایاتی امن
و عافیت کے لئے مفید نہیں ہوسکتی ۔ اس کے جو خطرناک عواقب اور نتائج مترتب
ہوں گے اس کی کامل ذمہ داری حکومت کے ان ارباب حل و عقد پر ہوگی
جو کسی تجربہ کار سیاسی ساحر کے منتروں یا کسی نام نہاد نظام کی بر خود غلط
طاقتوں سے متاثر ہو کر صرف نام کی تبدیلی کے ساتھ ایسے زہریلے دعایہ
کو حیدرآباد میں جائز رکھیں گے ۔

دستوری اصلاحات اور مجلس کا نقطہ نظر

آپ نے میرے ان جملوں کو اگر پوری توجہ کے ساتھ سماعت کیا ہے
تو آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں گے کہ مجلس اتحاد المسلمین نے ہندوستان
میں جمہوری اصول حکومت کو ناموزوں قرار دینے کے باوجود حیدرآباد کے
موجودہ دستوری اصلاحات کو ابتداءً کیوں غیر تشفی بخش قرار دیا اور اب
کیوں قابل اطمینان سمجھتی ہے ۔ حیدرآباد کی ہر دستوری تبدیلی میں مسلمانوں
کے لیئے دو امور سب سے زیادہ قابل لحاظ ہیں ایک یہ کہ اقتدارات اور
وزرار کی ذمہ داریاں کاملاً بادشاہ کے ہاتھ میں محفوظ ہیں یا نہیں ؟
دوسرے یہ کہ قانون ساز جماعت جو بادشاہ اور حکومت کی خدمت میں
رعایا کے صحیح جذبات کی ترجمانی اس کی ضروریات کے اظہار او حکومت

کے ساتھ اشتراک عمل کے لئے مقرر کی گئی ہے اس میں مسلمانوں کی موقف کافی مضبوط ہے یا نہیں؟ جب تک یہ دونوں چیزیں حاصل نہ ہوں مسلمان کسی دستوری تبدیلی کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اور جس لمحہ یہ دونوں مقاصد حاصل ہو جائیں مسلمانوں کو اشتراک عمل میں عذر نہیں ہو سکتا اور نہ ہونا چاہیئے۔

صدر مجلس اتحاد المسلمین جس کا مسلمانان دکن کی واحد نمائندہ جماعت ہونا ہر شک وشبہ سے پاک ہے اور جس کو حیدرآباد میں ایسا غیر مبہم موقف حاصل ہے جس پر مجھے کہنے دیجئے کہ آل انڈیا مسلم لیگ بھی رشک کر سکتی ہے اور جس کے تسلیم کرنے میں حیدرآباد کی غیر مسلم جماعتوں کو اتنا بھی عذر نہیں ہو سکتا جتنا کانگریس کو مسلم لیگ کے تسلیم کرنے میں آج ہے آئنگار کمیٹی کے قیام سے لے کر آج تک پوری ہوشیاری اور تدبر کے ساتھ حیدرآباد کی دستوری تبدیلیوں پر غور کرتی رہی۔ میری تشریح اصلاحات والی تقریروں کو جنھوں نے غور سے سنا وہ خوب جانتے ہیں کہ جو غیر تشفی بخش اور مضر اجزا معلنہ دستور میں تھے مجلس نے ان کے خلاف لفظی نہیں بلکہ عملی احتجاج کا عزم کر لیا تھا مجلس کو قریب سے دیکھنے والوں کو معلوم ہے کہ مجلس کا یہ عزم ایسا عزم راسخ تھا جس کو کوئی طاقت اسوقت تک بدل نہیں سکتی تھی جب تک کہ وہ مجلس کو اپنی جگہ مطمئن نہ کر دے۔ اور ان غیر تشفی بخش و مضر اجزا کو دور نہ کر دے مجھے یقین ہے کہ جس اعتماد کامل کا مظاہرہ میں آج اپنی آنکھوں سے

دیکھ رہا ہوں وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دکن کا کوئی مسلمان مجھ سے یا صدر مجلس سے اس سے زیادہ سننے کا طلبگار نہیں ہے۔

آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ

گذشتہ دو سال کی مدت میں حیدرآباد جس طوفان و ہنگامہ خیزی سے گذرا ہے وہ کوئی اتفاق یا حادثہ نہ تھا۔ کانگریس نے اپنے ابتدائی دور میں اپنے آپ کو برطانوی ہند سے مخصوص اور ہندی ہندوستان سے بے تعلق ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن جیسے ہی حکومت برطانیہ نے وفاقی مجالس میں ریاستی نمایندوں کا سہارا لیا اور ان کو وفاق کی شرکت پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ یہ سوال پوری شدت کیساتھ اٹھا کہ ریاستی نمائندے رعایا کے منتخب کردہ ہوں گے یا رؤسا کے نامزد کردہ۔ اول الذکر صورت کانگریس کے منشار کے مطابق تھی اس لئے بظاہر اپنے آپ کو بے تعلق رکھ کر کہیں بعض دوسرے مذہبی اور فرقہ وارانہ اداروں کے ذریعہ جیسا کہ حیدرآباد میں ہوا اور کہیں اپنے ذمہ دار ارکان مجلس عاملہ کے توسط سے جیسا کہ راج کوٹ اور جے پور میں ہوا رعایائے ریاست ہائے ہند کو رؤسا کے خلاف بھڑکانے اور ذمہ دار حکومت کے مطالبہ کے ذریعہ اقلیتوں کے حقوق پامال کرنے کی کوشش کی گئی اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ پٹا بھی سیتا رامیا اور جواہر لعل جیسے اہم کانگریسی لیڈروں نے

اسٹیٹس پیپلس کانفرنس کی صدارت کی اس کے کانگریس کے ساتھ الحاق کا تصفیہ کیا اور ریاستوں کے خلاف نہایت سخت رویہ اختیار کیا۔ اس کا گذشتہ اجلاس جو لدھیانہ میں ہوا حیدر آباد کے لئے ناقابل برداشت طور پر تکلیف دہ تھا۔ دوسری طرف مسلم لیگ ریاستوں سے متعلق اپنی غیر جانبدارانہ پالیسی پر قائم رہی اور اس نے کانگریس کی طرح خفیہ اور بالواسطہ طریقے اختیار نہیں کئے بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بعض موقعوں پر ریاستی مسلمانوں کو مایوس کیا۔ ان تمام حالات نے دیسی ریاستوں کے مسلم باشندوں پر اس ضرورت کو پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک کل ہند نظام ترتیب دیں ورنہ اکثریت کا اکثریت ہونے کے باوجود بیرونی طاقتوں سے ربط و تعلق اور اقلیت کا اقلیت ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بے تعلق ہونا ان کے مستقبل کو انتہا درجہ تاریک اور خطرات سے پر بنا دے گا۔ میں نے محسوس کیا کہ یوں تو حیدر آباد کے مسلمانوں کو جو مغلیہ شہنشاہیت کی عظمت رفتہ کے صحیح وارث ہیں سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی شاہراہ ترقی میں رہبری کرنی چاہئے لیکن کم از کم وہ اپنے اس فریضہ کی ابتدا دیسی ریاستوں کے مسلمانوں کی قیادت سے کریں۔ اس سے ایک طرف وہ مختلف ریاستوں کے مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ اخوت پیدا کر سکیں گے جو ہر ایک کی مضبوطی کا باعث ہو اور اس کو آنے والے طوفانِ جمہوریت میں اپنے تحفظ کے قابل بنائے تو

دوسری طرف بالواسطہ وہ برطانوی ہند کے مسلمانوں کے ساتھ بھی تعاون
اور اشتراک عمل کرسکیں گے جے پور جودھ پور اور بعض دوسری ریاستوں
کے خون چکاں حالات اور گوالیار کشمیر وغیرہ کی مسلم کش دستوری
تبدیلیاں اس ضرورت کو اور بھی زیادہ محسوس کراتی ہیں۔ چنانچہ میں نے
اللہ کا نام لے کر ایک آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کی تحریک ریاستی مسلمانوں
کے سامنے رکھی اور اُن سے خواہش کی کہ ایک مرکز پر مجتمع ہو جائیں اور
اپنی انفرادیت کے تحفظ میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔ اس ضرورت
کو ہندوستان کے اور بھی بہت سے مفکرین محسوس کر رہے تھے چنانچہ
میری دعوت پر ہر طرف سے صدائے لبیک بلند ہوئی۔ میں جانتا ہوں
کہ خود حیدرآباد میں میرے لئے اتنا وسیع میدان عمل موجود ہے کہ
میرے بعض احباب میری اس تحریک کو قبل از وقت اور میری طاقت
سے زیادہ تصور کر سکتے ہیں۔ لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی کام کا شروع
کر دینا مشکل ہوتا ہے۔ جب بیج درخت کی شکل اختیار کر لے تو وہ رفتہ
رفتہ اپنی نشوونما میں باغبان کی توجہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور قدرت
اس کے لئے سامان حیات مہیا کر دیتی ہے کتنے ہی ایسے اچھے
خیالات ہیں جو انسانی دماغوں کے صندوق میں مقفل ہیں اور صرف
اس لئے دنیا ان کی افادیت سے محروم رہی کہ سوچنے والوں کی پست
ہمتی نے ان کو اظہار سے باز رکھا۔
اس تحریک پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ حیدرآباد

کی وحدت وانفرادیت کے خلاف ہے، میں خود اس کا قائل رہا ہوں کہ
حیدرآباد ایک مستقل سلطنت ہے اس کی تاریخ اور اس کے روایات
اس کے لئے ایک بالکل جداگانہ ماحول پیدا کرتے ہیں اور کسی کو حق نہیں
ہے کہ اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے لیکن گذشتہ دو
سال میں اندازہ ہوا کہ اپنی انتہائی خوبی کے باوجود یہ نظریہ ہمارے لئے
ایک دھوکہ ثابت ہو رہا ہے۔ ہندوستان کے وسیع سمندر میں
موجیں اٹھ رہی ہیں۔ طوفان آ رہے ہیں۔ سطح مرتفع دکن کی خاک
کے ذرّے ان طوفانوں کو خود آگے بڑھ کر دعوت دے رہے ہیں اور کشتی
دکن کے نام نہاد خاندان طوفانوں کو اٹھتا ہوا دیکھ کر لرزہ براندام،
حیات سے مایوس اور دام موج کے پہنچنے سے پہلے کشتی حیات کو غرق
کر دینے پر مائل نظر آتے ہیں۔ مسافروں کو تھوڑی دور پر چٹان نظر آ رہی
ہے۔ اور وہ اس پر چڑھ سکتے ہیں۔ لیکن بیرونی طوفان کو دعوت نامہ
لکھنے والا ہاتھ ان کو روکتا ہے کہ خبردار غیر کی اعانت حاصل
نہ کرنا میں کہہ چکا ہوں کہ حیدرآباد کی انفرادیت اور استقلال کی
بقا، ضروری ہے میں آج بھی اس کو اپنے مقاصد حیات میں سے ایک
سمجھتا ہوں اور کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ اپنی اس انفرادیت اور استقلال
کو مضبوطی سے قائم رکھتے ہوئے وہ دوسروں کی طرف تعاون واشتراک کا
ہاتھ بڑھائے۔ یہ امر اتحاد المسلمین کی پالیسی کے اس طرح عین مطابق ہو جاتا
ہے کہ مجلس تمام فرقہ ہائے اسلامی کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اپنی اپنی انفرادی

حیثیت میں اپنے جداگانہ اختلافی عقائد کو باقی رکھتے ہوئے۔ مابہ الاشتراک امور میں دوسری جماعتوں سے تعاون واشتراک عمل کریں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تحریک مستقبل میں نہایت کامیاب اور ریاستی مسلمانوں کے تحفظ اور نجات کا ذریعہ بنے گی۔

اس سے ایک اور شبہ یہ پیدا ہو رہا ہے کہ شائد حیدرآباد میں مجلس اتحاد المسلمین کے علاوہ ایک اسٹیٹس مسلم لیگ کا قیام بھی عمل میں آئے گا جو قطعاً صحیح نہیں ہے۔ حیدرآبادی مسلمانوں کا ایک ہی واحد اور نمائندہ سیاسی ادارہ ہے اور اسی حیثیت سے میں نے مجلس اتحاد المسلمین کا قائد اعظم ملت اسلامیہ ہند سے تعارف بھی کرایا تھا۔ اگر یہ آل انڈیا نظام کامیاب ثابت ہوا تو مجلس اتحاد المسلمین اپنی ساری لفظی اور معنوی خصوصیات کے ساتھ اس کی قیادت کرے گی۔ اور اس میں وہی مقام حاصل کرے گی جو مملکت آصفیہ کو ریاستی ہندوستان میں حاصل ہے۔

مجلس کی جدوجہد

صدر مجلس اتحاد المسلمین کی گذشتہ دو سالہ کوشش نے مسلمانان دکن میں جو عام بیداری پیدا کر دی ہے وہ ہر طرح قابل اطمینان ہے مجھے یہ دیکھ کر کتنی مسرت ہوتی ہے کہ آج اس جلسہ میں نہ صرف تمام اضلاع ممالک محروسہ سرکار عالی کی فرداً فرداً مکمل نمائندگی ہو رہی ہے اور ان کے مندوب میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ بلکہ اپنے دوروں میں میں نے محسوس کیا

کہ نہ صرف اضلاع بلکہ تعلقات اور قصبات میں بھی مجلس کی شاخیں قائم ہو چکی ہیں کسی قوم کو شاہ راہ عمل کی طرف لانے کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز اس میں احساس صحیح کا پیدا کرنا ہے جو الحمدللہ پیدا ہو گیا۔

اب ہمارا کام ختم نہیں ہو جاتا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اب شروع ہوتا ہے۔ اس احساس سے ہمیں کام لینا ہے اور ملک کے سامنے ایک ایسا تعمیری پروگرام پیش کرنا ہے جو صدیوں کی نیند میں مبتلا مسلمانان دکن کو نہ صرف کھڑا کر دے بلکہ منزل کی طرف سرعت کے ساتھ بڑھنے میں ممد و معاون ہو۔

ہم گذشتہ دو سو سال سے سلاطین آصفیہ کے آغوش مرحمت میں امن و اطمینان کی نیند سوتے رہے ہیں ہم نے اپنی فلاح و بہبود کی ساری ذمہ داریاں اپنی حکومت کے دوش پر رکھدیں اور اپنے قوائے عمل کو بالکل مضمحل کر لیا۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ چند روز قبل تک ہم اپنے اجتماعی زندگی کے شیرازہ کو منتشر دیکھ رہے تھے۔ آج بھی نہ ہمارا کوئی مسلم ساز تعلیمی نظام ہے نہ مذہبی و اسلامی نقطہ نظر سے ہم اپنے آپ کو صحیح مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ نہ معاشی حیثیت سے ہم اس قابل ہیں کہ دوسری مالدار قوموں کے دوش بدوش میدان سیاست میں دوڑ سکیں۔ نہ ہم نے اس سادہ اور پرکار اسلامی معاشرہ کی خصوصیات کو باقی رکھا ہے جو کبھی ہمارا طرۂ امتیاز تھا مختلف غیر اسلامی رسم و رواج نے ہمارے معاشرے کی جڑوں

کو کھوکھلا کر دیا ہے کہ اب ضرورت ہے اب مجلس اتحاد المسلمین کے زیر
ہدایت ہم اپنا پانچ سالہ عملی و تعمیری پروگرام تیار کریں جو ان تمام
نقائص کو حکمت و دانائی کے ساتھ دفعہ کرے اور ہم ایک ایسی مضبوط
منظم خود مکتفی۔ با اصول اور تعلیم یافتہ جماعت بن جائیں جو آنے والے
حوادث کا اپنی قلت تعداد کے باوجود پوری قوت سے مقابلہ کر سکے
اور سلطنت آصفیہ کو ان کی زد سے بچا سکے۔

ہماری ان تمام کوششوں کا انحصار دو چیزوں پر ہے ایک نہایت
مخلص صداقت شعار، بے لوث کارکن۔ دوسرے سرمایہ گزشتہ
پندرہ سالہ قومی جد وجہد میں میں نے یہ تجربہ کیا کہ کسی موقتی ضرورت
کی تکمیل کے لئے جس میں جذبات کی برانگیختگی کا بھی کچھ نہ کچھ سامان
ہو بڑی آسانی سے کارکن مہیا ہو جاتے ہیں۔ ان کی یہ آمادگی آنی
اور عارضی ہوتی ہے۔ اگر کوئی مستقل اور مسلسل کام ان کے سپرد کیا جائے
جو دل سے زیادہ دماغ سے تعلق رکھتا ہو۔ جس کے نتائج فوری نہیں
بلکہ دیر رس ہوں اور جس میں ابتداءً نہایت تحمل اور برداشت کے
ساتھ مسلسل کام کرنا پڑے تو یہ اندازہ کیا گیا کہ بڑے جوش سے آمادہ
ہونے والے آہستہ آہستہ میدان عمل سے ہٹ گئے اور کام کو چھوڑ دیا
میں سب سے زیادہ جس چیز کی طرف اپنے بھائیوں کو متوجہ کرنا چاہتا
ہوں وہ استقامت اور عمل پیہم کی منزل ہے۔

سرمایہ کے سلسلہ میں بھی مجھے کچھ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے میں

نے اپنی قومی زندگی میں انتہائی کوشش کی کہ چندہ حاصل کئے بغیر قومی ضروریات کی تکمیل کروں لیکن طویل تجربہ نے ثابت کیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے مجبوراً دست سوال دراز کرنا پڑا۔ مجلس کو اپنے مطالبہ کے مطابق پانچ لاکھ کی رقم جمع کرنے میں جو ناکامی ہوئی اس کے کئی وجوہ ہیں مسلمانوں کے سب سے زیادہ مالدار طبقے دو ہیں۔ جاگیردار اور عہدہ دار۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ اس کا اظہار کرتا ہوں کہ ان دونوں نے اس چندہ میں کوئی حصہ نہیں لیا جو کچھ صدر مجلس کو وصول ہوا میں اس کو تمام تر غریب اور متوسط طبقہ کے مسلمانوں کا ایثار تصور کرتا ہوں حضرت اقبال علیہ الرحمۃ کتنا سچ فرماتے ہیں ؎

امراء نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا، غربا کے دم سے

آپ کو معتمد صاحب صدر مجلس کی رپورٹ سے اس کی تفصیلات کا علم ہوگا اب جو کچھ ہماری گرہ میں ہے مجلس اس کو نہایت احتیاط کے ساتھ مسلمانوں کی معاشی اور سیاسی تنظیم پر خرچ کرنا چاہتی ہے لیکن میں صاف طور پر یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس قلیل اور ناقابل ذکر سرمایہ سے قطعاً قومی ضروریات تکمیل نہیں پا سکتیں ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کے لئے کسی مستقل سرمایہ کا انتظام کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مسلم کلچر سوسائٹی کے مطالبات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو ہم میں سے ہر ایک کے دل کی آواز ہے جب تک ہمارے اوقاف منظم ہو کر ان کی آمدنی خود ہمارے

مشورہ سے صحیح طور پر صرف نہ ہو۔ جب تک ہماری لاوارث معاشوں
اور جائدادوں سے متعلق یہ نہ طے کردیا جائے کہ ان کی وارث ملت
اسلامیہ ہوگی اور جب تک ہمیں قانوناً اس کا اختیار نہ دیا جائے کہ ہم
مسلمانوں کو فریضہ زکوٰۃ کی ادائی پر مجبور کرسکیں اور بیت المال کو
ایک نیم سرکاری ادارہ کی حیثیت نہ دی جائے مسلمانوں کی تنظیمی
مسائل طے نہیں ہوسکتے اور نہ ان کے معاشی مستقبل کی کامیابی کی امید
کی جاسکتی ہے میری رائے ہے کہ مسلم کلچر سوسائٹی اپنے ان مطالبات کو
مجلس اتحاد المسلمین کی خدمت میں پیش کردے اور مجلس ان مطالبات
کی تکمیل اپنے آئندہ لائحہ عمل کا سب سے پہلا جزو قرار دے۔ یہ مطالبات
اتنے معقول اور صحیح ہیں کہ کسی سمجھدار حکومت کو ان کی تکمیل میں عذر نہیں
ہوسکتا برطانوی ہند کی اکثر صوبجاتی حکومتوں نے وقف بل منظور کرلئے
ہیں اور خود ہمارا قانون اوقاف جہاں تک مجھے علم ہے مرتب ہوکر کئی
سال سے منظوری کی منزل تک پہنچنے کے لئے دفتری منازل طے کررہا
ہے جو حیدرآبادی دفتری زندگی کا سب سے زیادہ تاریک پہلو ہے۔

ہمارا مستقبل

مجلس اتحاد المسلمین کے ماضی اور حال کی تفصیلات آپ کو معتمد
صاحب صدر مجلس کی رپورٹ سے معلوم ہوسکیں گی۔ مجھ سے مستقبل کی
نسبت چند باتیں سن لیجئے۔

مجلس کے پیش نظر اس وقت چند ضروری کام ہونے چاہئیں
ایک یہ کہ حکومت کے سارے انتظامی اور عاملانہ اداروں کا جائزہ
لے کر یہ اندازہ کرے کہ مسلمانوں کے حقوق کہاں اور کس طرح محفوظ ہیں
یہ ادارے اپنی پالیسی اور عمل کے اعتبار سے کوئی ایسی کارروائی تو
نہیں کر رہے ہیں۔ جو اب یا آئندہ مملکت آصفیہ یا ملت اسلامیہ کے لئے
مضر ثابت ہو اور کوشش کرے کہ ان حالات کی اصلاح ہو اور مسلمانوں کے
موجودہ اور آئندہ حقوق محفوظ ہیں۔ اس سلسلہ میں جو چیز سب سے زیادہ
خطرناک ہے وہ حکومت ارباب حل وعقد کی یہ ذہنیت کہ چوں کہ
"ہندو اکثریت میں ہیں اس لئے ان کا ہر مطالبہ قابل قبول ہے"۔
اس سے ارباب حکومت میں خود اعتمادی کا فقدان ثابت ہوتا ہے۔
قابل غور امر یہ نہیں کہ کوئی کیا مانگ رہا ہے بلکہ قابل غور یہ ہے کہ ملک
کے دستور، اس کی تاریخ اور روایات کے مطابق کون کس چیز کا مستحق ہے
اور وہ چیز اس کو مل رہی ہے یا نہیں مسلمان ہرگز نہیں کہیں گے کہ حکومت
ان فرائض میں کوتاہی کرے جو رعایا میں امن و عافیت قائم رکھنے
اس کے ساتھ انصاف و رواداری برتنے اس کی زندگی میں سامان
آسائش مہیا کرنے اور اس کی خوشحالی کا سامان فراہم کرنے کی حد تک
اس پر عائد ہوتے ہیں۔ میں جو چیز دیکھنا چاہتا ہوں وہ مملکت میں ہر ایک
کارکن کا یہ ایمان و ایقان ہے کہ حیدرآباد ایک مسلم بادشاہت ہے اور
اس کو اسی طرح برقرار رہنا چاہئے۔ ساری خرابی اس ایمان میں کمزوری

کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے اور تمام مذاہب کا مسلمہ اصول ہے کہ ایمان
کی کمزوری کبھی عمل میں صلاحیت اور پختگی نہیں پیدا کر سکتی جب دو افراد
کا معاملہ پیش ہو تو میں ہمیشہ عہدہ داران مملکت سے متوقع رہوں گا کہ
وہ صرف انصاف کو پیش نظر رکھیں چاہے وہ انصاف خود مجھے مستحق
دار و رسن کیوں نہ قرار دے رہا ہو۔ لیکن جہاں اجتماعی حیثیت سے
کوئی چیز سامنے آئے تو خوب جانچ لیں کہ ان کی جنبش قلم سلطنت آصفیہ
کے مستقبل پر کس حد تک موثر ہو رہی ہے مجھے افسوس ہے کہ یہ ایقان
و ایمانی کمزوری ہماری سلطنت کے ہر شعبہ میں نمودار ہے۔

سر مسٹر سی پی راماسوامی ایر میں یہ اخلاقی جراءت ہے کہ وہ علانیہ
کہدے کہ ٹرانکور میں خواہ عیسائی (۹۰) فیصدی کیوں نہ ہو جائیں۔
لیکن ٹرانکور ایک ہندو ریاست ہے اور رہے گی۔ ڈاکٹر مونجے میسور
کی سرزمین سے اعلان کرتے ہیں کہ میسور ایک ہندو ریاست ہے۔ سر
سموئیل ہور اور لارڈ زٹیلینڈ وزارت ہند کے ممتاز قلمدانوں کو ہاتھ
میں لئے دار الامرا اور دار العوام میں اقرار کرتے ہیں کہ حیدرآباد اسلامی
سلطنت ہے لیکن اس مسلمہ صداقت کے اظہار میں اگر کسی کی زبان رکتی
ہے اور دل دھڑکتا ہے تو اس اسلامی حکومت کے ان ذمہ دار عہدہ داروں
کا جو مسلم ہونے کے دعویدار بھی ہیں۔ اور ایک مسلم بادشاہ کے نمکخوار بھی
ہیں مجلس اتحاد المسلمین کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہونا چاہئیے کہ ان کرسی نشین
و قلم در کف مسلمانوں کو مسلمان بنائے اور ان کو یہ جتائے کہ وہ تعریف

حقیقت میں قابل فخر نہیں ہے جو غرض مند مصاحبین کی زبانوں سے ان کے کانوں تک پہنچ رہی ہے بلکہ ان کو اس تعریف کا مستحق بننا چاہیئے جو حیدر آباد کی تاریخ پڑھکر آنے والی نسلوں کی زبان سے نکلے۔ اسی سلسلہ میں اس کی ضرورت ہے کہ مجلس اتحاد المسلمین سررشتہ کوتوالی سررشتہ تعلیمات سررشتہ مال کے عہدہ داروں پر حکمت و موعظۂ حسنہ کے ساتھ مسلمانوں کے ان عمومی جذبات کی ترجمانی کرے جو ان سررشتوں کی بعض گزشتہ کارروائیوں کا نتیجہ ہیں۔ اور ان پر واضح کرے کہ اگر انھوں نے اپنے طرز عمل میں اصلاح نہ کی تو ملت اسلامیہ کے اعتماد کو کھو دیں گے۔

دستوری تبدیلیوں کے لئے تیاری

مجلس اتحاد المسلمین کا دوسرا فریضہ ان دستوری تبدیلیوں کے لئے مسلمانوں کو تیار کرنا ہے جو آج یا کل ملک میں عملاً نافذ ہونے والی ہیں۔ حیدر آباد کے لئے یہ چیزیں بالکل نئی ہیں اور مسلمانوں نے بیرون حیدر آباد کا بھی کوئی صحیح تجربہ حاصل نہیں کیا ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ ان تحفظات کے باوجود جن کے لئے اس قدر جد وجہد کی گئی آئندہ وہ نقصان میں نہ رہیں۔ ضرورت ہے کہ ہر ضلع میں ایسے اصحاب کا تقرر کیا جائے جو ہر ایک طبقہ میں پھر پھر کر دستوری اصلاحات کی تشریح کریں عام فہم انداز میں لوگوں کو سمجھائیں کہ ان کی حیثیت کیا ہے

اوران کو آئندہ کیا کرنا چاہیئے ۔مفاداتی بنیادوں پر مسلمانوں کو منظم کرنے کے لئے پارلیمنٹری بورڈ بنائے جائیں جو اپنا کام ابھی سے شروع کردیں مجلس کا تیسرا فریضہ نوجوانوں کے دماغ اور اعضاء کو بیکاری سے بچانا ہے بے کار دماغ ہمیشہ خیالات فاسد کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور بے کار ہاتھ پاؤں شیطان کے لئے آلہ کار، نوجوانوں کے لئے ایسی مصروفیتیں پیدا کرنا ضروری ہے ۔جن میں جدت بھی ہو اور گرمیٔ عمل بھی۔ ان کے بیکار دماغ اور اعضا کے لئے سب سے زیادہ خطرناک وہ دوست نما دشمن ہیں جن کی نمازیں محویت تو مسلم لیکن دل صنم آشنا ہیں۔ ملت کی شیرازہ بندی اور اس کی وحدت کا راز ایک معین منزل کے تشخص میں ہے جہاں منزل سامنے سے ہٹی اور راہ رو آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوئے اس لیے مجلس کو چاہئے کہ ایک معین نصب العین ہمیشہ نوجوانوں کے سامنے رکھے۔

اسی سلسلہ میں نہایت آسانی کے ساتھ مسلمانوں کی معاشی' اخلاقی اور مذہبی اصلاح کا کام لیا جاسکتا ہے ۔

عسکری تنظیم

مجھے اپنے دورِ رواں میں یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ عسکری تنظیم کا تصور مسلمانوں میں پیدا ہو چکا ہے۔ بیدر و عثمان آباد کی کوئی شاخ

ایسی نہ تھی جس میں میں نے رضاکاروں کی منظم جماعتیں نہ دیکھی ہوں لیکن جس چیز کی کمی ہر جگہ محسوس ہو رہی تھی وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو سوسائٹی میں اچھا مقام حاصل ہے وہ ایک رضاکار کی حیثیت سے میدان میں آنے سے شرماتے تھے۔ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں قیادت کی باگ ہاتھ میں رکھنے والے آگاہ ہو جائیں کہ وہ اپنے متبعین سے قطعاً کسی ایسے کام کی توقع نہیں کر سکتے جس کو انجام دیتے ہوئے خود ان کو شرم آتی ہو مجھے کیا حق ہے کہ میں اپنے کسی بھائی کو رضاکار کی حیثیت سے یونیفارم میں برسر میدان آنے کی دعوت دوں۔ اور خود اس طرح تیار ہو کر میدان اترنے سے گریز کروں اگر ہم چاہتے ہیں کہ قوم میں صحیح جذبۂ عمل پیدا ہو تو ہمارا سب سے پہلا فریضہ یہ ہونا چاہئے کہ اپنے عمل کی مثال پیش کریں۔ عسکری تنظیم تاریخ اسلام کا ہمیشہ سے ایک لاینفک جز رہا ہے۔ مسلمان فطرتاً سپاہی اور اس کے مستقبل کی نجات اسی میں ہے کہ اس کو سپاہی برقرار رکھا جائے خون کے آنسو رلاتی ہے وہ نزاکت و نسوانیت جو ہمارے نوجوانوں میں ان بدن بڑھتی جا رہی ہے میں خداوندان مکتب کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ ان شاہین بچوں کو خاک بازی کا درس دینا ملت کے لئے قبر تیار کرنے کے مترادف ہے۔ جامعہ عثمانیہ ہماری امید۔ وان کا مرکز ہے ہماری نگاہیں اس تعلیم گاہ سے فارغ ہونے والوں کے مستقبل پر لگی

ہوئی ہیں۔ لیکن میں کبھی کبھی سوچنے لگتا ہوں کہ اس عشرت انگیز اور امیرانہ ماحول سے نکلکر جو دن بدن لم یخلق مثلھا فی البلاد کی شان حاصل کرتا جا رہا ہے ایک نوجوان معاشی زندگی کے مصائب کو کیونکر برداشت کر سکے گا۔ اور اگر ضرورت پڑے تو ملک و ملت کے لئے خون و خاک غلطیدن کی رسم کس طرح ادا کر سکے گا۔ اقبال علیہ الرحمۃ کی زبان میں مجھے کہنے دیجئے۔ ؎

من آں علم و فراست باپر کاہے نمی گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را

صدر مجلس کی توجہات ضرورت ہے کہ اپنے آئندہ پروگرام میں عسکری تنظیم کی طرف کسی اور مسئلہ سے کم مرکوز نہ رہے۔ یہاں جبکہ میرے سامنے رضاکاروں کا پرشکوہ کیمپ لگا ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اضلاع کی منظم جماعتوں کو دیکھ کر جو سینکڑوں میل سے اپنے اس موقتی اجتماع کی شرکت کے لئے آئی ہیں بلدہ میں جو صدر مجلس کا مرکز ہے عسکری تنظیم کی طرف نوجوانوں کی توجہ زیادہ سے زیادہ بڑھ جائے گی۔

عربی کالج کا قیام

یہ امر مسلم ہے کہ حیدرآباد ایک وسیع اور بڑی سلطنت ہے جو رقبہ اور آبادی یورپ اور ایشیا کی کئی آزاد مملکتوں سے کہیں

زیادہ ہے۔ مسلمانان دکن اس بات کو شدت سے محسوس کرنے لگے ہیں کہ حیدرآباد میں کوئی عسکری تعلیم گاہ نہیں ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ زمانہ کا اونٹ کونسی کروٹ بیٹھے گا سچ ہے کہ ؎

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

سرفروشانِ دکن کی اولاد سینما بینی میں آسودہ اور عیش طلب ہوتی جارہی ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ جلد از جلد ملک میں ایک فوجی کالج قائم کرے، اور "وفاداران تخت و تاج آصفی" کو اس میں تعلیم دلاکر ملک کی خدمت کے قابل بنائے۔

مسلم بافندوں کا مسئلہ

مجلس نے ارادہ کیا ہے اور نہایت مبارک ارادہ ہے کہ اپنے معاشی پروگرام کی ابتدا مسلم بافندوں کی امداد سے کرے مسلم بافندے جو عرف عام میں مومن کہلاتے ہیں۔ دیہاتی مسلم آبادی کا سب سے بڑا جز ہیں۔ اضلاع گلبرگہ۔ رائچور، اور محبوب نگر میں یہ دیکھ کر سخت رنج ہوا کہ معاشی خرابی اور بے روزگاری کی وجہ سے یہ لوگ ترک وطن پر مجبور ہو رہے ہیں تحقیق سے معلوم ہوا کہ اگر ان کے مال کی نکاسی کے لئے صرف بازار پیدا کردیا جائے تو ان کی حالت بڑی حد تک سنبھل سکتی ہے اور مجلس کو اس کا موقع مل سکتا ہے کہ ان کیلئے کوئی انتظام کرے۔ کیونکہ مشینوں کی ایجاد اور ان کے بنے ہوئے کپڑوں نے بازار

کو مسخر کر رکھا ہے اور ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا کسی طرح اس سستے کپڑے کا مقابلہ نہیں کر سکتا مجلس کو ان مسلم بافندوں کے لئے کوئی مستقل صورت پیدا کرنی پڑے گی اس کے لئے معاشیات کے ماہرین سے مشورہ کیا جا رہا ہے مجلس کے اس پروگرام کی کامیابی کا انحصار مسلمانوں کی توجہ پر ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کا مقابلہ کریں اور مسلم بھائیوں کے بنائے ہوئے مہنگے اور بھدے کپڑے کو کارخانوں کے بنے ہوئے خوبصورت کپڑے پر ترجیح دیں۔ مجلس شکر گزار ہے کہ اس کی آواز پر برادران ملت نے توجہ کی اور مجلس کی قائم کردہ دوکان اس وقت تک بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے۔

اضلاع کے دورہ میں بھی میں نے محسوس کیا کہ مقامی مسلمانوں میں مسلم بافندوں کے بنائے ہوئے کپڑے پہننے کا خیال پیدا ہو گیا ہے صحیح طریقہ کار یہی ہے کہ جس تعلقہ یا ضلع میں کپڑا تیار ہو وہیں وہ کھپ بھی جائے گلبرگہ کے چند نوجوانوں نے مسلم بافندوں کی امداد کے لئے انجمن امداد باہمی کا قیام کا ارادہ کیا ہے جس کی کامیابی گلبرگہ کے بزرگان ملت کی توجہ پر منحصر ہے اگر وہ اتنا وقت بھی اس کام کو دے دیں جتنا آپس کے اختلافی مسائل پر بحث کرنے میں دیتے ہیں۔ تو یہ تحریک کامیاب ثابت ہو سکتی ہے، میں معاشیات کے نوجوان طالب علموں سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنی تعطیلات شہروں کی بجائے دیہات میں بسر کریں اور مجلس کے سامنے اپنی تحقیقات سے ایسا مواد

پیش کریں جو اس کے آئندہ قدم بڑھانے میں مدد دے سکے۔

ہماری زبان

زبان کو ہر ملک و ملت میں جو تہذیبی اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں سلطنت حیدرآباد کا سب سے بڑا کارنامہ اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانا ہے۔ یہ بات اب ملک میں نہایت بے چینی کے ساتھ محسوس کی جانے لگی ہے کہ محکمہ جات سرکاری جن کو حکومتی زبان کا سب سے بڑا محافظ ہونا چاہئے اس کی تخریب اور تباہی کے درپے ہیں کتنے ہی ایسے محکمہ ہیں جن کی زبان رفتہ رفتہ انگریزی ہوتی جارہی ہے۔ محکمہ تجارت و حرفت، معتمدی امور دستوری محکمہ جات تعمیرات، محکمہ جات تنقیح حسابات اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود جامعہ عثمانیہ میں انگریزی کا رواج بڑھتا جارہا ہے۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی!

ہم جانتے ہیں کہ ان کی بعض مجبوریاں بھی ہیں۔ لیکن اس انسان کی دنیا میں کبھی عزت نہیں ہو سکتی جو مشکلات پر غالب آنے کی بجائے ان سے مغلوب ہو جائے۔ جہاں انگریز عہدہ دار ہیں ان کے سامنے ضروری کاغذات کا ترجمہ انگریزی میں پیش کیا جا سکتا ہے یا زیادہ صحیح طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ برٹش انڈیا کے سیویلینس یا صوبہ سرحد کے فوجی عہدہ داران کی طرح ان سے خواہش کی جائے کہ وہ بقدر ضرورت

اردو سیکھ لیں اور کسی انگریزی عہدہ دار کا انتخاب حیدرآباد کے عہدہ پر اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک وہ اردو سے واقف نہ ہو جائے ورنہ وہ دن دور نہیں جب کہ حیدرآباد میں اردو، مدارس کی زبان بن کر رہ جائے مجلس اتحاد المسلمین کا فریضہ ہے کہ ثقافت اسلامیہ کی حفاظت کے لئے اس چیز کے خلاف سخت احتجاج کرے مجلس ان تمام ادبی اداروں کی سرپرستی میں اپنی اخلاقی اعانت کا وعدہ کرے جو زبان اردو کی ترویج و اشاعت کے لئے کام کر رہی ہیں۔

صدر الصدور کا تقرر۔

مجلس کی یادداشت کا ایک اہم فقرہ آج تک ارباب حکومت کی توجہ سے محروم ہے اور اندیشہ ہے کہ اس کی تکمیل میں ذہنی ذہنیت حارج ہو رہی ہے۔ جو حیدرآباد کو اسلامی سلطنت تسلیم کرنے سے رد کتی ہے تنوّر اور تعلم کے دعویدار اپنے جوتے کی ڈوری تک باندھنے میں اپنے مغربی آقاؤں کی تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن کبھی انہوں نے شہنشاہ معظم قیصر ہند کے القاب کے اس حصہ پر بھی غور کیا کہ وہ محافظ دین عیسائیت ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ آج بھی انگلستان میں آرچ بشپ آف کنٹربری کو وہی مرتبہ حاصل ہے جو کبھی سلطنت ترکیہ کے شیخ الاسلام اور حیدرآباد کے صدر الصدور کو ہوا کرتا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں تقلید نہیں کی جاتی۔ کیوں شہنشاہ معظم

قیصر ہند پر یہ الزام نہیں لگایا جاتا کہ اپنی رعایا میں پچیس کروڑ ہندو اور پندرہ کروڑ مسلمان رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو صرف دین عیسوی کا محافظ قرار دیتے ہیں۔ حیدرآباد میں صدر الصدور کے عہدہ کو دوبارہ بحال کرنے میں پس و پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ اسلامی ثقافت اور مسلم بادشاہت کا وہ جز لاینفک ہے جس کی تجدید کے بغیر مسلمان اپنے علمی پروگرام کو مکمل تصور نہیں کرتے۔

حضرات!

اپنے اس خطبہ کو ختم کرنے سے پہلے میں اپنا فریضہ تصور کرتا ہوں کہ آپ پر واضح کردوں کہ ہندوستان خصوصاً دکن میں مسلمانوں کی زندگی اور بقا کا انحصار ایک نہیں بلکہ دو امور پر ہے۔ ایک موجودہ مسلمانوں کو صحیح معنی میں مسلمان بنانا دوسرے ان کو سیاسی معاشی اور تمدنی حیثیت سے منظم کرنا بیشک یہ ایک بہت زیادہ ضروری اور اہم بات ہے لیکن اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ اسلام خدا کی وہ رحمت ہے جس کو محدود یا مخصوص کرلینا ایک اہم اسلامی فریضہ کو فراموش کرنے کے مترادف ہے۔ میں اپنے خطبہ کی ابتدا ہی میں اشارہ کرچکا ہوں کہ ہمارے اجداد کی ہندوستان میں سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے اسلام کی اشاعت میں کوتاہی کی قدرت نے اسلام میں ایسی مقناطیسیت رکھی ہے کہ وہ آج

دنیا کی اس قدر مادی ترقی کے بعد بھی ایک بین الاقوامی اور عالمگیر مذہب ہے ہندوستان میں مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ قیام کے بعد بھی ان کی تعداد اگر صرف نو کروڑ رہی تو اس کی ذمہ داری ہم پر ہے نہ کہ تعلیمات اسلامی پر ہم میں سے ہر شخص بفحوائے ارشاد قرآنی مبلغ ہے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ میں اس آیتہ میں من کو تبعیضہ تسلیم نہیں کرتا اور نہیں چاہتا کہ اس کو حیلہ بنا کر مسلمان منصب تبلیغ کو ایک خاص جماعت کے تفویض کر دیں اور اسلام میں منو کی شاستر کو پیدا کر دیں۔ ہم چاہے کسی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہوں ہم پر تبلیغ اسی طرح فرض ہے۔ جس طرح نماز روزہ حج اور زکوٰۃ فرض ہے طبیب دوا کا نسخہ لکھتے لکھتے وکیل قانونی نظائر تلاش کرتے کرتے عالم تحقیق علم کرتے کرتے اور تاجر گاہک کو مال دکھاتے دکھاتے بھی تبلیغ کر سکتا ہے میں نہیں چاہتا کہ اس زمانے میں تعداد کی اہمیت کا سوال پیدا کر کے تبلیغ میں آپ کی نیت کو بدل دوں اور اس کے اجر عظیم کو زائل کر دوں خدا نے جس اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے اس کا ایک نہایت ادنیٰ اور ناقابل لحاظ جز کثرت تعداد اور اس کے دنیوی و سیاسی منافع بھی ہیں جن کو قطعاً مقصد اصلی نہ بنانا چاہئے مسلمان کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اگر وہ احکام

آئینہ کی تعمیل اور ادائی فرض کی بجائی رفع احتجاج کے طور پر کرینگے۔

خاتمہ

برادران آخر میں آپ کو واقف کرا دینا چاہتا ہوں کہ کسی فرد یا جماعت کی کامیابیاں خود اس کے مخالفین اور حاسدین کے پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں مجلس اتحاد المسلمین اس دور سے گزر چکی جب کہ ہر شخص اس کا ہمدرد ہوا کرتا تھا۔ اب ایسے ہزاروں دل ہو سکتے ہیں جن میں مجلس اتحاد المسلمین کی ترقیاں کانٹوں کی طرح کھٹک رہی ہوں۔ خداوند قدوس نے بھی جب اسلامی کھیتی لہلہانے کی بشارت دی تو آگاہ کر دیا تھا کہ جب بیج سے کونپل نکلے گی اور وہ اپنے ڈنٹھل پر مضبوط اور اپنے باغبان کی آبیاری سے شاداب ہو کر لہلہانے لگے گی تو اس کے دوست خوش اور اس کے دشمن جلنے لگیں گے یعجب الزراع و یغیظ بھم الکفار۔ مجلس کسی فرد کا نام نہیں ہے۔ افراد برے ہو سکتے ہیں۔ لیکن مجلس جس کے مقصد کو تم نے بار بار آزمایا ہرگز بری نہیں ہو سکتی اگر اس کے کارکن افراد میں صداقت نہ دیکھو، خلوص نہ پاؤ، تغافل اور لاپروائی محسوس کرو تو ان کی بے فیض ذات سے اپنی مجلس کے آستانہ کو پاک کرو لیکن خبردار کسی دوسری چوکھٹ کی تلاش کرنے کا ارادہ نہ کرنا۔

بھائیو! کسی کام کا بگاڑنا بہت آسان ہے لیکن اس کا بنانا بہت مشکل ہے۔ اسلامی عظمت و شان کا وہ پیکر دل نشین جو اس وقت تمہارے اندر احساس خودی پیدا کر رہا ہے۔ گذشتہ گیارہ سال کی مسلسل محنت کا نتیجہ ہے۔ اگر تم اس کو بگاڑنا چاہو گے تو گیارہ گھنٹے بھی کافی ہو سکتے ہیں میرا دل مایوسیوں سے پاک اور ایمانی بشارتوں سے مملو ہے کہ دکن کا مسلمان خدا کے فضل سے اب محروم نہ رہے گا۔ دو سو سال بھٹکنے کے بعد آج اس میں ایک مرتبہ پھر احساس پیدا ہو چکا ہے اس نے معلوم کر لیا ہے کہ اسکی آوارہ گردی اور آستانہ ہائے غیر کی جبیں سائی نے اس کے خدا کو ناراض کر دیا تھا۔ اب اس نے عزم کر لیا ہے کہ ایک مرتبہ پھر اپنے خدا کو راضی کرے گا۔ اس کو معلوم ہو چکا ہے کہ خدا کی رضامندی کے بغیر اس کی زمین پر عزت سے جینا محال ہے وہ پہچان چکا ہے کہ دکن اس کے اجداد کی ایک مقدس امانت ہے۔ جس کی حفاظت اس کا مقدس ترین فریضہ ہے۔ اس کی آنکھ کھل چکی اس کو معلوم ہو گیا کہ مخالف ہوائیں چل رہی ہیں۔ رات تاریک ہو چکی ہے طوفان سر پر کھڑا ہے کشتی کا لنگر ٹوٹ چکا ناخدا غفلت کی نیند سو رہا ہے۔ بادبانوں میں سوراخ پڑ چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ ساحل کی طرف سے مایوس نہیں کیونکہ اس میں خودی بیدار ہو چکی ہے۔ اور مرد مسلمان کی خودی وہ ناخدا ہے

جو بے نیاز لنگر و باد بان ہے۔

دعاء

خاتمہ پر آؤ ہم سب ملکر دعا کریں کہ خدا ہماری اس بیداری کو حیات جاوید عطا کرے ہماری آنکھیں محروم خواب ہو جائیں ہمارے دل کی تڑپ اور ہماری آنکھ کا آنسو کبھی تھمنے نہ پائے اور خدا ہماری بادشاہت اور اقتدار کے مظہر مسلمانان دکن کی ناموس ملت اسلامیہ کے پرستار دین حنیف کے محافظ اعلیحضرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر کو بادشاہت کی ان ساری اسلامی خصوصیات کے ساتھ زندہ و سلامت رکھے جو سلاطین آصفیہ کا طرۂ امتیاز رہی ہیں۔

شاہ عثمان زندہ باد

سلطنت آصفیہ اسلامیہ پائندہ باد

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔
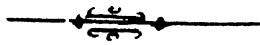
مجلس اتحاد المسلمین نے اس مدت میں وقتاً فوقتاً مسلمانون کے جذبات ، انکی ضروریات اور ان کے مطالبات سے حکومت سرکارعالی کو واقف رکھنے کی کوشش کی اور بار بار یہ بتانے کی سعی کی کہ مسلمانان دکن کے ساتھ حکومت سرکار عالی کا برتاؤ "رواداری" کی فراوانی اور غیر مسلمون کے ساتھ غیر معمولی عنایات کی وجہ سے غیر منصفانہ ہوگیا ہے

ان یادداشتون کی حیثیت صرف مطالبہ کی نہ تھی بلکہ ان میں حکومت سرکار عالی کو صحیح حالات و حقیقی جذبات سے واقف کرانے کے بعد مفید اور کارآمد مشورے بھی دیئے گئے تھے۔ جزیرہ نمائے ہند کی ہندو ریاستون کی مثالین دے کر یہ بتایا گیا کہ وہاں مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ تک جائز رکھا گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اس اسلامی حکومت مسلمانوں کے ساتھ رواداری کی رو میں بہہ کر منصفانہ برتاؤ بھی نہیں کرسکی۔

ان یادداشتوں میں سے تین اہم یادداشتیں یہاں درج کیجاتی ہیں۔

(۱) عرض حال ۔ جسمیں حیدر آباد کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی دولت کا مقابلہ کر کے مطالبہ کیا گیا ہے کہ جو رعائتیں اس ریاست ابد مدت میں ہندوئں کے ساتھ روا رکھی ہیں وہ مسلمانوں کو حاصل نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ کیا جائے جو انکو معاشی، مذہبی اور سماجی طور پر تباہی سے بچالے۔

اس عرض حال کو مولوی ابو البیان خواجہ بہاءالدین صاحب معتمد مجلس اتحاد المسلمین نے حیندارکان مجلس عاملہ کے ساتھ صدر اعظم بہادر سے ملاقات کر کے پیش کیا۔

(۲) یادداشت متعلقہ اصلاحات ۔ جب حیدر آباد میں اصلاحات کا طوفان اٹھا۔ اور حکومت نے باوجود ستیاگرہ کے جاری رہنے کے نئے اصلاحات کے اعلان کا وعدہ کر لیا تو مجلس اتحاد المسلمین نے ایک یادداشت کے ذریعہ مسلمانان دکن کے مطالبات حکومت کے سامنے رکھے۔

(۳) یادداشت متعلقہ امداد جنگ ۔ ستمبر ۱۹۳۹ء میں جب یورپ میں جنگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ اور ہماری حلیف سلطنت دولت برطانیہ نے مجبوراً اعلانِ جنگ کر دیا تو جنگ میں دولت برطانیہ کی زیادہ سے زیادہ امداد دینے کے لئے مجلس اتحاد المسلمین نے اس یادداشت کے ذریعہ مفید اور ضروری مشورے پیش کئے۔ جس پر اگر حکومت سرکار عالی عمل کرتی تو شاید موجودہ وسیع اور قیمتی امداد سے کہیں زیادہ وسیع پیمانہ پر

دولت برطانیہ کو امداد دے سکتی۔ ۱)۔عرضِ حال۔

بخدمت عالیجناب ہزاکسلنسی رائٹ آنریبل نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

جناب عالی! مختلف طریقوں سے جو پروپگینڈا کیا جارہا ہے اس کا مقصد عام طور پر یہ غلط خیال قائم کرانا ہے کہ چونکہ حیدرآباد ایک اسلامی ریاست ہے اس لئے وہاں ہندو رعایا کے مقابلہ میں مسلمان رعایا کو زیادہ مراعات حاصل ہیں۔ مگر واقعات پر تحقیقی نظر ڈالنے سے یہ حقیقت آسانی آشکار ہو جائیگی کہ صورت حال بالکل اس کے برعکس ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حکومت حیدرآباد کی جانب سے معاشی مذہبی اور دیگر امور میں مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کے مفاد کا خیال رکھا گیا ہے۔ حسب ذیل واقعات سے اس حقیقت کی وضاحت پورے طور پر ہوگی۔

معاشی (۱) ہندو لاولد فوت ہوں تو ان کی معاشیں (بذریعہ تبنیت) ایک دوسرے ہندو پر بحال کر دی جاتی ہیں۔ حالانکہ ایسی صورتوں میں مسلمانوں کی معاشیں داخل سرکار کر لی جاتی ہیں۔

(۲) مسلمانوں کی مشروط معاشیں (شرط خدمت باقی نہ رہنے کے عذر پر) شریک خالصہ کر لی جاتی ہیں۔ لیکن ہندوؤں کے مشروط معاشیں یعنی معاش ہائے دیکھی۔ دیسپانڈیہ گیری سمتانات ورسوم وغیرہ (شرط خدمت باقی نہ رہنے کے باوجود) ان پر بحال ہو جاتی ہیں۔

(۳) مسلمانوں کے منصبوں میں عمل وضعات جاری کیا گیا جس سے لاکھوں روپیوں کی آمدنی سے وہ محروم ہو گئے مگر ہندوؤں کے لاکھوں

روپیوں کے نقد رسوم علی حالہ اُن پر قائم رکھے گئے۔

(۴) قانون گوئی کا کام اب باقی نہیں رہا ہے۔ مگر قانون گوئی کا نقد رسوم ہندؤں پر بحال ہے۔

(۵) مسلمانوں کے لئے کوئی سیول عہدہ موروثی نہیں رکھا گیا۔ مگر تقریباً تمام دیہی عہدے جن کی تعداد (۶۶) ہزار ہے) ہندوں پر برقرار رکھے گئے ہیں۔

(۶) لاکھوں روپیوں کے تقاوی، لاکھوں روپیہ کے ہر سال معافیات جمعبندی اور اس کے علاوہ لاکھوں روپیہ کے یکمشت معافیات کاشتکاروں کے مفاد کے مدنظر دی جاتی ہیں۔ جس سے ہندو ہی زیادہ مستفید ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سلور جوبلی کے موقع پر (۴۰) لاکھ کی معافی سے تقریباً ہندو ہی مستفید ہوئے۔

(۷) امداد باہمی کا وسیع سررشتہ کاشتکاروں کے مفاد کی خاطر ہی قائم کیا گیا ہے جس کا تمام وکمال فائدہ ہندو ہی حاصل کرتے ہیں۔ جس کا بجٹ (۶) لاکھ ہے۔

(۸) مسلمان ملاؤں کے صدہا سالہ مروجہ عمل بلوطہ کو محض ہندؤں کے مفاد کی خاطر اُن کی مرضی پر چھوڑ کر تقریباً مسدود کردیا گیا ہے۔

اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندؤں کا تمول (۶۰۰) سو سال سے بدستور قائم ہے اور مسلمانوں کی مالی و فوجی معاشیں (صرف نواب مختار الملک بہادر مرحوم کے زمانہ سے اس وقت تک) ۱۶ لاکھ ۶ ہزار ۹ سو چوبیس روپیہ

بارہ آنے آٹھ پائی کی اُن کے پاس سے نکل گئیں۔

مذکورہ بالا امور کا اثر مسلمانوں کی معاشی حالت پر یہ مرتب ہوا کہ عدالت ہائے دیوانی سے جو ڈگریاں صادر ہوتی ہیں ان میں ۹۰ فیصدی مسلمانوں کے خلاف ہوتی ہیں۔ نیز افلاس و تنگدستی کی وجہ سے دیہی مسلمانوں میں جرائم بھی بڑھ رہے ہیں۔ اور اس افلاس کی بدولت اُنکی تعلیمی اور جسمانی حالت کمزور ہو رہی ہے اور بچوں کے اموات وغیرہ میں زیادتی ہے۔

مذہبی

(۹) ہندوؤں کے مذہبی جذبات کے احترام کی خاطر مسلمان قربانی گاؤ کے مذہبی حق سے محروم کئے گئے۔

(۱۰) سکھوں کی خاطر ناندیڑ کی قدیم عیدگاہ حکماً بند کردی گئی۔ اور ایک مسلمان بزرگ کی نعش قبر سے اکھیڑ دی گئی۔

(۱۱) ہندوؤں کے پوجا پاٹ، جاتراؤں کے انصرام، پجاریوں کے تقرر، دھرم سالوں کے مصارف کے لئے حکومت نے جو مذہبی معافیاں ہندوؤں کو دی ہیں۔ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بقدر (۵۸) ہزار ۱۱۹ روپیہ زیادہ ہیں۔ ملاحظہ ہو رپورٹ امور مذہبی۔

(۱۲) مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کے آثار قدیمہ کی حفاظت پر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت تک مسلمانوں کے لئے (۳) لاکھ ۴۲ ہزار ساد۔ ہندوؤں کے لئے (۵) لاکھ ۹۴ ہزار خرچ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو رپورٹ آثار قدیمہ۔ من ابتدائے ۱۳۲۳ف لغایتہ ۱۳۴۶ف۔

(۱۳) مساجد سے زیادہ مندروں کے تعمیر کی اجازت دیجاتی ہے۔ چنانچہ سن ابتدائے ۱۳۳۰ف لغایتہ ۱۳۴۱ف منادر (۳۹۲) تعمیر ہوئے اور مساجد (۱۹۲) ملاحظہ ہو رپورٹ امور مذہبی

(۱۴) مسلمانوں کے لئے نماز کی جگہ بغیر اجازت سرکار قائم نہیں ہوسکتی۔ مگر ہندؤں کے لئے چارمینار پر اور عثمانیہ ہسپتال کی جدید دیوار پر بلا اجازت پوجا پاٹ کے عمل کو قائم رکھنے دیا جاتا ہے۔

(۱۵) مسلمانوں کے مذہبی خدمات قضارت۔ درگاہ جات وعاشور خانہ جات وغیرہ کی معاشیں ہندؤں کے نام بحال ہیں جن کی تعداد (۱۲۵) ہے

(۱۶) مسلم واعظین بغیر حصول اجازت وعظ نہیں کر سکتے۔ مگر ہندو واعظین اس قید سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱۷) سرحدی مسلمان ریاست میں اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے۔ مگر سرحدی ہندو بغیر روک ٹوک کے آسکتے ہیں!

(۱۸) ہندؤں کے عذر پر مساجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اور تعمیر ہو رہی ہو تو بھی روک دی جاتی ہے۔ چنانچہ موضع گرپلی تعلقہ حدگاؤں میں تعمیر مسجد کی اجازت نہیں دیگئی۔ خود دارالسلطنت میں عابد روڈ والی قریب التکمیل مسجد صرف پجاری کے عذر پر روک دیگئی۔

(۱۹) مساجد کو شہید وبے حرمت کرنے والے ہندؤں کو بری کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مساجد یون دون تعلقہ پالم۔ مسجد لنگر گلبرگہ۔ مسجد بدانیو نگر

تعلقہ کاماریڈی مسجد کشٹور تعلقہ اودگیر کے معاملہ میں ہوا۔

(۲۰) مساجد شہید ہوں اور درگاہ مساجد سے کوئی چیز ٹوٹ جائے یا سرقہ ہو جائے تو سرکار اس کا بدل نہیں دیتی۔ مگر ایسی ہی صورتوں میں مندروں کو سرکار اس کا بدل کر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر دیول گلبرگہ شرن لب پا اور دیول بخشی گنج کی مورتیاں سرکار سے بنا کر دی گئیں اور مرمت کے لئے (۲۵) ہزار روپیہ حکومت نے خرچ کیا۔ حالانکہ مذہب اسلام کی رو سے صریح ناجائز بلکہ حرام ہے۔

(۲۱) اہل ہنود کو ان کے مذہبی وعظ و تبلیغ کرنے کے لئے ۱ ۷۷ ۵ - ۱۵/ ۶۳) روپیوں کی معاشیں دی گئی ہیں۔

(۲۲) ان کے علاوہ بیرونی ممالک کے مناور کیلئے سالانہ (۲۶۹۱ ۸/- ۶۳) کی امداد بہ صیغہ مذہبی دی جا رہی ہے۔

ہندو ریاستوں میں مسلمانوں کی حالت

اب ہم محض اظہار حقیقت کی خاطر بطور مثال ہندو ریاستوں کے مقابلہ میں اس اسلامی حکومت کے مربیانہ طرز عمل کے چند نمونے دکھلانا چاہتے ہیں۔

اولاً ملاحظہ ہوں۔ ہندو ریاست الور، فرید کوٹ۔ جنید، جے پور جودھپور۔ بیکانیر۔ میسور وغیرہ کے حالات مندرجہ اخبارات۔

(۱) جہاں مسلمان آزادی کیساتھ اذان دے سکتا ہے۔ نہ عبادت کر سکتا ہے نہ قرآن پڑھ سکتا ہے۔

(۲) جہاں پر کہ مساجد کو گودام و اصطبل کے کام میں لایا جاتا ہے۔

(۳) مساجد میں مندر قائم کئے جاتے ہیں

(۴) مساجد بطور مکان رہنے کیلئے ہندوؤں کو دیجاتی ہیں۔

(۵) مساجد ہراج (نیلام) کیجاتی ہیں۔

(۶) سڑکیں بنانیکے لئے مساجد اور قبرستانوں کو مسمار کیا جاتا ہے

(۷) اراضی پٹہ پر مسلمانوں کو حق ملکیت نہیں دیا جاتا۔

(۸) جنگلات پر ہندؤں کو جو حقوق ہیں ان سے مسلمان محروم ہیں
(۹) بعض ٹکس ہندؤں سے کم۔ مسلمانوں سے زیادہ لئے جاتے ہیں
(۱۰) مسلمانوں کی مقبوضہ اراضی جس وقت چاہے چھین کر ہندؤں کو دی جاتی ہے۔
(۱۱) ہندو عہدہ داران کے اجلاس پر ایک ہی نوعیت کے جرم میں ہندؤں کو کم اور مسلمانوں کو زیادہ سزا دیجاتی ہے۔
(۱۲) بعض مدارس ہندؤں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔
(۱۳) ایسے واقعات ثابت ہو چکے ہیں جہاں ہندو عہدہ داروں نے مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کی وجہ سے گولیوں کا نشانہ بنایا

درخواست

اس کے بعد حسب ذیل درخواست کیگئی ہے

اب ہم حکومت سے بادب عرض کردینا چاہتے ہیں کہ حکومت کی اس پالیسی کے سبب جو وہ مسلمانوں سے زیادہ ہندؤں کے مفاد پر توجہ رکھتی ہے مسلمان کافی سے زیادہ نقصان اٹھا چکے ہیں اور اب ان کا سکوت **خودکشی** کے مترادف ہے۔ لہذا ہماری التجا یہ ہے کہ نظر توجہ مبذول فرماکر ہمارے مطالبات ذیل کو شرف قبولیت عطا فرمایا جائے

(۱) ہمارے ذریعہ معیشت (ملازمت) کی حفاظت کی جائے جیسا کہ مزارعین کی حفاظت کے لئے دستور العمل انتقال اراضی و دستور العمل ساہوکاران نافذ کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے اس استحقاق کو جو جو صدیوں سے حکومت کی ملازمتوں میں چلا آتا ہے ہمیشہ برقرار رکھا جائے۔ اور ہندؤں کے مطالبات پر غور کرتے ہوئے ان دیہی عہدوں کو نظرانداز نہ فرمایا جائے جو ہندؤں کو حاصل ہیں۔ اور جس کو حکومت کا بنیادی اور حقیقی ادارہ کہا جا سکتا ہے

(۲) اگر مسلمانوں کے اس ذریعہ معاش کو ہندؤں پر تقسیم کیا جاتا ہے تو جو ذرائع معاش ہندؤں کا اجارہ بن گئے ہیں۔ ان میں مسلمانوں کے داخلہ کا انتظام فرمایا

جائے اور کمزور فریق کو (Lift) دینے کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۳) ہماری وہ معاشیں جو بوجہ لاولدی تحریک خالصہ کر دیگئی ہیں وہ مورث اعلیٰ کے موجودہ ورثاء کو واپس کر دی جائیں یا اگر کوئی وارث نہ ہو تو سرکاری نگرانی میں کوئی ادارہ ایسا قائم کیا جائے جو انکی آمدنی کو مسلمانوں کی معاشی فلاح پر صرف کرے

(۴) شرط خدمت باقی نہ رہنے کے عذر پر جو معاشیں لے لی گئی ہیں (اہل ہنود کی طرح) وہ ہم پر بحال کر دی جائیں۔

(۵) مناصب جو (وضعات کے پہلے) جاری تھے وہ (ہندوؤں کے رسوم کی طرح) خاندانی ورثاء پر بحال و جاری رکھے جائیں۔

(۶) مسلمانوں کے آثار قدیمہ کی حفاظت میں ہندوؤں کے برابر حصہ دیا جائے۔ یعنی کمی کی تکمیل کیجائے۔

(۷) مسلمانوں کی مذہبی معاشوں میں کم از کم ہندوؤں کے مساوی اضافہ کیا جائے۔

(۸) ہندوؤں کی مسروقہ اشیاء یا نقصانات کی طرح مساجد و درگاہ جات کی مسروقہ اشیاء اور نقصانات کی تلافی بھی حکومت کیجانب سے کیجائے۔

(۹) ہندو مبلغین کی طرح مسلمان واعظین کو بھی ہر وقت حصول اجازت کی قید سے آزاد کر دیا جائے۔

(۱۰) سرحدی مسلمانوں کو سرحدی ہندوؤں کی طرح ممالک محروسہ میں آزادانہ داخلہ کی اجازت دی جائے۔

۱۳۴۸ف جب کہ حیدرآباد کی فضا اصلاحات دستوری کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ اور دوسری طرف پنجاب یوپی اور دیگر صوبہ جات برطانوی ہند سے ہندوؤں کے جتھے مذہبی آزادی کے نام پر گرفتار ہونے کے لئے آرہے تھے، حکومت سرکار عالی کی طرف سے بار بار وعدہ کیا جارہا تھا کہ ملک کے آئینی اصلاحات کا اعلان ہونے والا ہے۔ آئینگار کمیٹی اپنا کام ختم کر کے حکومت کے سامنے پیش کر چکی تھی۔ مجلس اتحاد المسلمین نے بار بار اس کا تقاضا کیا کہ آئینگار کمیٹی کی سفارشات شائع کر دی جائیں مگر حکومت نے اس کی اشاعت سے انکار کر دیا تو مجلس نے ان سفارشات کے متعلق اپنے خطرات کے حق بجانب ہونے کے تمام امکانات موجود پائے۔ اسوقت ۱۳؍ اردی بہشت ۱۳۴۸ف کو مجلس عاملہ نے ایک تجویز منظور کی جس میں حسب ذیل مطالبات کئے گئے تھے۔

(۱) موجودہ فضا اصلاحات کے لئے ناساز گار ہے اس لئے بالفعل اس کا اعلان ملتوی کر دیا جائے ۔

(۲) اصلاحات کے اعلان کی اس وقت ضرورت ہے یا نہیں اس بارےمیں ملک کی رائے عامہ طلب کی جائے ۔

(۳) جب تک کہ مسلم حقوق کی تعین نہ ہو جائے آئینگار کمیٹی کی سفارشات کو تدوین اصلاحات کی بنیاد نہ قرار دیا جائے ۔

مسلمانوں کی اس متفقہ آواز کے باوجود حکومت کی روش اعلان اصلاحات اور مسلم مطالبات کے سلسلہ میں غیر اطمینان بخش رہی جس سے باخبر مسلم حلقوں کے اندیشے زیادہ قوی ہو گئے۔ چنانچہ مجلس نے حکومت کے سامنے اپنی بے اطمینانی ظاہر کرنے کے لئے جماعتی مظاہرہ کا فیصلہ کر لیا لیکن حکومت نے فوراً غیر مبہم الفاظ میں ملک کے اہم طبقات کے حقوق، مفاد اور امتیازات کے تحفظ کا یقین دلایا اس وقت مجلس اتحاد المسلمین نے مظاہرے بند کر دئے۔ اور ۱۹ اردی بہشت ۱۳۴۸ ف کو مجلس کے ایک وفد نے جو ممتاز ارکان عاملہ پر مشتمل تھا۔ صدر اعظم بہادر کی خدمت میں حاضر ہو کر یادداشت پیش کی جس میں حسب ذیل مطالبات تھے۔

(۱) حیدرآباد کی حکومت ایک کامل الاقتدار بادشاہت ہو جس کا ہمیشہ آصفی خاندان کا ایک مسلمان رکن متمکن رہے ۔

(۲) ہندوستان کے وفاقی دستور میں حیدرآباد کی شرکت اگر ناگزیر

ہو تو حیدرآباد صرف اسی صورت میں مناسب اور شایانِ شان حصہ لے سکے گا۔ جبکہ اس کا سیاسی اقتدار، مالیاتی توازن اور معاشی ترقی کے امکانات متضرر نہ ہوں۔

(۳) اگر ملک کی ترقی کے لئے موجودہ دستور میں کوئی تبدیلی ناگزیر متصور ہو تو مسلمانانِ دکن کسی ایسی تبدیلی کو ہرگز قبول نہ کریں گے جس سے مسلم جماعت کی روایاتی سیاسی برتری متاثر ہو جو حیدرآباد کی تاریخ میں اسے صدیوں سے حاصل رہی ہے۔

(الف) مقننہ و ادارہ جات مقامی حکومت خود اختیاری کی ترکیب میں بہر حیثیت مسلمانوں کو آئینی اکثریت حاصل ہے۔

(ب) مسلم نشستیں جداگانہ انتخاب کے ذریعہ پر کئے جائیں۔

(۴) اردو جو ہندوستان بھر کی مشترکہ اور حیدرآباد کی سرکاری زبان ہے وہ ہمیشہ حیدرآباد کی سرکاری اور تحتانی جماعتوں کی تعلیمی و جامعاتی زبان رہے

(۵) ملازمت مسلمانوں کے لئے نہ صرف تاریخی، سیاسی، وقار کا بلکہ ایک معاشی مسئلہ بھی ہے۔ اس لئے فرقہ واری تناسب کا سوال اس مسئلہ میں پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور مسلمان اس سے محروم ہونے کیلئے کبھی تیار نہ ہوں گے۔

(۶) حیدرآباد میں ہر مذہب و ملت کے لئے جائز آزادی ہمیشہ سے رہی ہے اور رہے گی۔ لیکن بادشاہت کا مذہب چونکہ اسلام ہے

اور رہے گا۔ اس لئے عہد صدر الصدور جس سے خدمات شرعیہ متعلق ہیں اپنی روایاتی خصوصیات کے ساتھ علیٰ حالہ قایم رہے اور مسلم اوقاف اور مسائل مذہبی کے انتظامات سے متعلق ایک آئینی مسلم ادارہ کو حکومت تسلیم کرے۔

(۷) حیدرآباد میں شہری آزادی ہر شخص کو بلا لحاظ مذہب و ملت حاصل رہی ہے اور رہے گی بشرطیکہ اس کا استعمال ناجائز نہ ہو اور اس کو ملک میں باغیانہ اور فرقہ وارانہ جذبات کے اشتعال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

(۸) ملک کے اہم پیشوں تجارت، زراعت اور صنعت میں مسلمانوں کا حصہ نفی کے برابر ہے جس کی وجہ سے ان کی معاشی حالت پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ لھذا ایسے وسائل و اسباب فراہم کئے جائیں جن سے ان کے معاشی مشکلات رفع ہوں اور وہ ان پیشوں میں شایان شان حصہ لے سکیں

مجلس وضع قوانین میں مسلمانوں کی آئینی اکثریت کیساتھ یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ کوئی مسودہ قانون جو کسی مذہب یا تہذیب پر اثر انداز ہو اس وقت تک قانون نہ بنے گا جب تک کہ اس فرقہ کے ارکان مقننہ کی ⅔ تعداد اس کی موافقت میں رائے نہ دے۔

یادداشت (۳)

مجلس عاملہ اتحاد المسلمین مملکتِ آصفیہ اسلامیہ

ذیل میں مجلس عاملہ اتحاد المسلمین مملکتِ آصفیہ اسلامیہ
کی وہ اہم ترین یادداشت درج کی جاتی ہے۔ جو عالیجناب
رائٹ آنریبل صدر اعظم بہادر باب حکومت سرکار عالی کی خدمت
میں بتاریخ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ پیش کی گئی۔

جنگ نے مسلمانان حیدرآباد کو مملکت آصفیہ اسلامیہ کے حال
اور مستقبل سے متعلق نہایت اہم مسائل سے دوچار کر دیا ہے مسلمانوں
کی واحد نمائندہ جماعت مجلس عاملہ اتحاد المسلمین کی خواہش ہے کہ حکومت
آصفیہ کو ان مسائل کی نسبت مجلس کے نقاط نظر سے مطلع کر دیا جائے
تاکہ حکومت ان پر سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائے۔

موجودہ فوجی امداد وقار مملکت کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی

ف ۲۔ حکومت مسلمانان حیدرآباد کے اس مستحکم ایقان سے ناواقف نہیں کہ ہٹلریت کے خلاف برطانیہ کی مہیب کشمکش نہ صرف اس کی اپنی حریت کی بقاء کی خاطر بلکہ اس کے ہر اتحادی اور حلیف کے تحفظ کے لئے جاری ہے۔ مسلمان اس حقیقت کو معلوم کرکے مطمئن اور مسرور ہیں کہ حیدرآباد کے فوجی اور دیگر وسائل اپنے حلیف کی اعانت کے لئے وقف کردئے گئے ہیں لیکن قلق اس امر کا ہے کہ یہ اعانت مملکت کے وقار کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

آلات حرب کے کارخانے فوراً قائم کئے جائیں

ف ۳۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حیدرآباد کی حربی طاقت اور حق اسلحہ سازی پر خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں، بروئے معاہدات کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ عہد ماضی کی حکمت عملی میں سہل انگاری کے باعث حیدرآباد کو اپنی مدافعت کے لئے بیش از بیش برطانوی حلیف کا دست نگر ہونا پڑا اور نتیجتاً آج بڑی ندامت کے ساتھ ہم مشاہدہ کررہے ہیں کہ حیدرآباد کے نام سے ایک حقیر فوج محاذ جنگ پر جاتی ہے جس کے لئے تعجب ہے کہ آلات حرب تمام وکمال ممالک غیر سے فراہم کئے جاتے ہیں۔ اس لئے

مجلس کی رائے میں باعتبار اقتضائے وقت اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ جہاں تک فوجی امور کا تعلق ہے حکومت کے موجودہ طریقہ عمل کا جائزہ لیا جائے اور ملک میں حکومت کی جانب سے بلا تاخیر بہ تعداد کثیر کارخانوں کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ جدید حربی ضروریات کے مطابق ملکی افواج کے لئے آلات حرب مہیا ہو سکیں۔ ایک واضح حقیقت ہے کہ تا وقتیکہ اس کا انتظام نہ ہو اہل ملک بکمال شوق جنگ میں حصہ لینے کیلئے زیادہ سے زیادہ قوت نہیں صرف کر سکتے اس لئے مجلس اپنی رائے میں مناسب تصور کرتی ہے کہ وہ ساری مالی اعانت جو جنگ کے سلسلے میں حکومت یا اہل ملک کی جانب سے حاصل ہو فوجی طاقت کی توسیع اور مجوزہ حربی کارخانوں کے قیام کے لئے استعمال کی جائے۔

اس اسلامی مملکت کی حربی طاقت کے ازسر نو قیام کیلئے مسلمان ہر قربانی کیلئے تیار رہیں:-

نمبر ۔ زائد فوج اور حربی کارخانوں کے لئے اشخاص کی فراہمی کے علاوہ مجلس اتحاد المسلمین اپنے اراکین میں سے ضرورت کے مطابق رضاکاروں کی مناسب تعداد مہیا کرنے پر بھی آمادہ ہے جو نہ صرف ملک کو امن و امان برقرار رکھے بلکہ میدان جنگ کی فوج کے لئے محفوظ

دستہ کا کام انجام دے سکیگی۔ مجلس کامل وضاحت کیساتھ بیان کر دینا چاہتی ہے کہ اسلامی مملکت کی حربی طاقت کے ازسرِنو قیام کی خاطر مسلمانان حیدرآباد ہر قربانی اور ایثار کے لئے بے چینی کے ساتھ آمادہ ہیں تاکہ ایک طرف اس ضرورت کے وقت اپنے حلیف کی پوری ساز و سامان کے ساتھ اعانت کر سکیں اور دوسری طرف اندرون ملک بدامنی کی صورت میں قیام امن کے فرائض بجالائیں۔

حیدرآباد خودمختار رہا ہے وہ موجودہ پست حالت پر قانع نہیں رہ سکتا

دوسرا مسئلہ جو کسی طرح کم اہم نہیں ہے حیدرآباد کی آزادی اور اقتدار کا ہے جس کی جانب مجلس کی توجہ مرکوز ہے ۱۷۲۴ء میں جب سے کہ حضرت نظام الملک آصفجاہ اول نے جنوبی ہند میں اپنی آزادی کا اعلان فرمایا حیدرآباد خودمختار رہا ہے سلاطین حیدرآباد نے اپنی اسی آزادانہ حیثیت میں ضرورت کے وقت برطانیہ کی مدد کی اور تحالف کا رشتہ قائم کیا۔ دونوں حکومتوں کے درمیان جو معاہدات طے پائے ان کی کوئی دفعہ ایسی نہیں کہ حیدرآباد کو اس کی موجودہ حیثیت تک گھٹا دے جو اس کے وقار کے منافی اور اقتدار کے مغائر ہے۔ یہ تصور موجودہ نسل کے لیے سخت تکلیف دہ ہے کہ حیدرآباد اپنی اس حلیف طاقت کی بدولت اس پستی کو پہنچ گیا ہے جس کی ہمیشہ اس نے آڑے وقتوں میں مدد کی۔ وہ اپنی موجودہ حالت پر قانع رہنے کے لئے آمادہ نہیں جو

عہدِ ماضی کے ایک ناگوار دور کی وراثت ہے۔ حیدرآباد کو وہ پھر ایک بار قوی اور آزاد دیکھنے کے لئے بیتاب ہے تاکہ بلا مزاحمت استبدادی عملدرآمد کے پنجہ سے آزاد ہو کر حیدرآباد حیات نو حاصل کرسکے۔

مملکت حیدرآباد خود ہی اپنی قسمت کی تعمیر کریگی

ف برطانوی ہند کے طول و عرض میں حالات کی رفتار حکومت کے ارباب حل و عقد کو دعوت فکر دے رہی ہے۔ اس حصۂ ملک کا سیاسی مرتبہ شدید انقلابی دور سے گزر رہا ہے۔ خواہ وسٹ منسٹر قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو وہ آزادی حاصل کرنے کے قریب ہے جب انگلستان برطانوی ہند کے ساتھ جس نے پوری شدت سے حکومت کی مخالفت کی ہے یہ سلوک کرسکتا ہے تو حیدرآباد جیسا یار وفادار اپنے حلیف کی جانب سے کم از کم اس کا متوقع ہے کہ وہ اس کو اپنی قسمت کی تعمیر اور اپنے ہمسایہ یعنی ہندوستان کی آیندہ مقبوضاتی حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم رکھنے کے لئے تنہا اور آزاد چھوڑ دے۔

حیدرآباد کی سابقہ خود مختارانہ حیثیت عود کرآنی چاہئے:-

ف۔ یہ امر بھی ناقابل فراموش ہے کہ برطانوی ہند سے حیدرآباد کے تعلقات معین معاہدات کی بنیاد پر قائم ہیں اور مجلس

کی رائے میں ان معاہدات کی جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے دفاعی اور تجارتی ہیں اس وقت کوئی اہمیت باقی نہیں رہ سکتی۔ جبکہ برطانیہ براہ راست ان فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونیکے قابل نہ رہے جو فریق معاہدہ کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتے ہیں، بہ الفاظ دیگر جس لمحۂ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ حاصل ہو جائے حیدرآباد کی اپنی سابقہ خود مختارانہ حیثیت عود کر آئے گی اور مقبوضاتی حکومت کے ساتھ جدید معاہدات طے کرنے میں وہ بالکلیہ آزاد ہوگا۔

حیدرآباد کو اسکے سارے سابقہ علاقے واپس ملنے چاہئیں

نف برطانوی ہند کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کی صورت میں چونکہ یہی امور اس کے ناگزیر مضمرات ہوں گے اس لئے سب سے پہلا مسئلہ جو حکومت حیدرآباد کی توجہ کو مرکوز کر سکتا ہے وہ مفوضہ علاقوں کے استرداد کا ہے جو برطانوی حکومت کو ان امدادی افواج کے مصارف کی پابجائی کے لئے تفویض کئے گئے تھے جو اس کے اغراض کے لئے اندرون مملکت متعین کی گئی ہیں۔ ملک کے ان مجبور کن حالات کا وجود اب باقی نہیں رہا جن کے تحت گذشتہ زمانہ میں حیدرآباد نے اپنے بعض علاقوں کا نظم و نسق دفاعی اغراض کے لئے برطانوی حکومت کے سپرد کر دیا تھا کیونکہ اب حیدرآباد ان علاقہ جات کا خود انتظام کر سکتا ہے اور اپنے محاصل کے ذریعہ زائد فوج کے اخراجات بھی برداشت

کر سکتا ہے جس کی حال اور مستقبل میں اس کو ضرورت ہے مجلس حکومت حیدرآباد سے امید کرتی ہے کہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ عطا ہونے سے بہت قبل ان مسائل کی نسبت کارروائی آغاز کر کے اطمینان بخش نتائج کے حصول کی کوشش فرمائے گی۔

ف ۹۔ اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ:۔

الف۔ مجلس

۱۔ حکومتی افواج میں توسیع

۲۔ حربی اسلحہ سازی کے کارخانوں کے قیام کا

بے چینی سے انتظار کر رہی ہے تاکہ اس جنگ کے دوران میں برطانیہ کی خاطر خواہ اعانت کر سکے اور جنگ کے خاتمہ کے بعد اس کی حربی طاقت خود اس کی دفاع کا موجب ثابت ہو۔

ب۔ مجلس اس اضطراب کیساتھ حکومت حیدرآباد سے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کے پیش نظر برطانوی ہند کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کی توقع پر حسب ذیل امور کی نسبت حکومت برطانیہ سے گفت و شنید آغاز کرنے کا شدید مطالبہ کرتی ہے۔

۱۔ امدادی افواج کی خاتگی جن کو حکومت برطانیہ نے حکومت آصفیہ کے مصارف پر حدود مملکت میں متعین رکھا ہے اور نتیجتہً مفوضہ علاقہ جات کا استرداد۔

۲۔ برطانیہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات کی اس طرح تجدید کہ جس کے ذریعہ

حیدرآباد کی داخلی اور خارجی آزادی اور انفرادیت کا تیقن حاصل ہو جائے۔

ف: خاتمہ پر مجلس اس حقیقت کو پوری شدت کے ساتھ ظاہر کر دینا چاہتی ہے کہ اپنے بیدار سیاسی شعور کے ساتھ مسلمانان حیدرآباد ونیز مسلمانان ہند حیدرآباد کے تخت وتاج کو اپنی سیاسی برتری کا مظہر تصور کرتے ہیں اور اس کی حریت وانفرادیت کی بقار کے لئے والہانہ شوق واخلاص کیساتھ ہر قسم کی قربانی کے لئے آمادہ ہیں۔ اس لئے حکومت حیدرآباد کا مقدس فریضہ ہے کہ عظیم تر ہندوستان میں حیدرآباد کی آئینی حیثیت کے دوبارہ حصول میں متذکرہ صدر طریقہ کے مطابق کسی کوشش اور کسی ایثار سے دریغ نہ فرمائے۔

مجلس کمال عقیدت کے ساتھ دست بدعا ہے کہ ان پیش نظر مقاصد کی پیش رفت میں خدائے مسبب حکومت کو کامل بصیرت اور قوت عطا فرمائے اگر یہ مناسب موقع ہاتھ سے نکل جائے یا حکومت بہ اقتضائے وقت سعی بلیغ سے قاصر رہے تو مجلس کو یقین ہے کہ مسلمانان حیدرآباد وہند میں ایسی صورت حال کے باعث جو ناگزیر رد عمل ظہور پذیر ہوگا۔ اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عاید ہوگی۔

بہادر یار جنگ صدر مجلس اتحاد المسلمین

مجلس اتحاد المسلمین نے اپنی زندگی کے اس مختصر دور میں جو تجاویز
منظور کی ہیں۔ وہ حالات، وقت، اور ضروریات کے لحاظ سے بہت اہم
ہیں۔ لیکن چونکہ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ ضروریات بھی بدلتی رہتی ہیں
اس لئے ہم اس جگہ مجلس کی منظور کردہ تجاویز میں سے صرف چند کو درج
کرتے ہیں جو نہ صرف پچھلے دور کی ضرورت کو یاد دلاتی ہیں۔ بلکہ آج بھی
ان کی اہمیت باقی ہے

عقیدت و وفاداری

ان تجاویز میں سب سے اہم وہ تجویز ہے جسے مجلس اتحاد المسلمین
کا ایقان محکم کہنا چاہیئے مجلس کے ہر بڑے چھوٹے اجتماع میں مسلمانان
دکن نے اپنے اس ایقان محکم کو دہرتے ہیں اور ہم سب سے پہلے
اسی تجویز کو درج کرتے ہیں۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ
کے سالانہ اجلاس میں کرسی صدارت سے پیش ہوئے اور ستر ہزار

مسلمانوں نے شاہ عثمان زندہ باد کے پرخلوص نعروں میں اسے منظور کیا۔

۱۔ "صدر مجلس اتحاد المسلمین کا یہ جلسہ عام سالانہ اپنے ہردلعزیز بادشاہ ذی جاہ ہز مجسٹی جلالت العلوم سلطان العلوم میر عثمان علیخاں بہادر خلداللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ کی خدمت میں گہری عقیدت اور غیر متزلزل وفاداری کا اظہار کرتا ہے اور یقین واثق رکھتا ہے کہ حضور پرنور کی ذات بابرکات نہ صرف سلطنت آصفیہ اسلامیہ کے مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا مرکز ہے بلکہ سارے مسلمانان ہند کا واحد ہادی و ملجا ہے۔ یہ جلسہ خداوند قدوس کی بارگاہ سے دعا کرتا ہے کہ حضرت ظل سبحانی اور خانوادہ آصفی کو تاقیام شمس و قمر مسلمانوں کے اقتدار کے مرکزی حیثیت سے قائم و برقرار رکھے۔ آمین۔

۲۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین کا یہ سالانہ جلسہ وزرائے ریاست ہائے ہند کی اس تجویز کو جس کے ذریعہ انہوں نے یہ قرار دیا کہ وہ اپنے فرمانرواؤں کو ریاستوں میں ذمہ دارانہ حکومت کے قیام کا مشورہ نہیں دے سکتے بالخصوص حیدرآباد کے لئے نہایت ضروری متصور کرتا اور اطمینان کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنی اس پالیسی پر پوری قوت کے ساتھ قائم رہیں گے۔

۳۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین کا یہ جلسہ حکومت کے اس اعلان پر سخت تعجب اور افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ جس کے ذریعہ مجلس اتحاد المسلمین

کو فرقہ وارانہ اور اس میں ملازمین سرکار کی شرکت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے
اس جلسہ کو اصرار ہے کہ صدر مجلس کے اغراض و مقاصد کسی طرح فرقہ وارانہ
نہیں ہیں۔ ہر چند کہ وہ مسلم جماعت کی ہر جہتی فلاح و بہبود کو اپنا مقصد
قرار دیتی ہے لیکن کسی دوسری جماعت کی تخریب کا باعث نہیں ہے
اور یقین ہے کہ حکومت اس کو محسوس کرے گی اور احکام امتناعی جلد از جلد
برخاست کر دے گی۔

۴۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین کا یہ سالانہ جلسہ حیدرآباد آندھرا کانفرنس
کو ایک فرقہ وارانہ تحریک سمجھتا ہے اس لئے یہ جلسہ متحیر ہے کہ ملازمین
سرکار کو اس تحریک میں شرکت سے منع نہیں فرمایا گیا۔ صدر مجلس کو اس کا
علم ہے کہ عہدہ داران دیہی اور معاشداران موروثی اس تحریک میں
عملی حصہ لے رہے ہیں نیز یہ کہ آندھرا تحریک ملک میں تفرقہ انگیزی
کا اقدام کر رہی ہے۔

۵۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین کا یہ جلسہ سالانہ سرکار عالی کے مختلف
محکمہ جات کی ایسی گشتیات کے خلاف اپنا احتجاج بلند کرتا ہے۔ جن کے
ذریعہ مسلمانوں کو گتہ جات ملازمتوں اور معاملات کے حصول میں دقتیں
پیش آ رہی ہیں مثلاً محکمہ مال کی گشتی جس کے ذریعہ عرب و افغانان
کو مال کے گتوں سے ممنوع قرار دیا گیا یا پولیس کی وہ گشتی جس کے ذریعہ
حکم دیا گیا کہ جوانان کو توالی میں (۵۰) فی صد دیہی آبادی سے بھرتی کئے جائیں

۶۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین کا یہ سالانہ جلسہ ان معاشی اصلاحی قوانین

سکے لئے جو سرکار عالی نے ۱۳۴۲ف میں نافذ فرمائے ہیں اپنے اطمینان کا اظہار کرتا ہے اور حکومت کو مبارک باد دیتا اور اپنے تعاون کا یقین دلاتا ہے اور اس امر پر احتجاج کرتا ہے کہ بعض مسلم طبقات کو قواعد انتقال اراضی میں جو غیر محفوظ قرار دیا گیا ہے اس کو منسوخ فرمائے اور تجویز کرتا ہے کہ مسلمانوں پر حصول معاش کے ذرائع تنگ نہ کرے۔ اس مقصد کو آگے بڑھانے کے لئے ایک سب کمیٹی کے تقرر اور تفویض اختیارات کا حق مجلس عاملہ کو دیتا ہے۔

۷۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین کا یہ سالانہ جلسہ حکومت سرکار عالی پر یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہے کہ موروثی ناقابل تبادلہ خدمات دیہی کا طریقہ رعایا کے ضروریات وجذبات کے حقیقی اظہار میں ایک سخت رکاوٹ ہے اور حکومت سے متوقع ہے کہ بعجلت ممکنہ دیہی خدمات کو غیر موروثی اور قابل تبادلہ قرار دے۔

۸۔ "مسلمانان حیدرآباد۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین کی اس جدوجہد کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔ جو اس نے ملک میں نام نہاد و ذمہ دار حکومت کے تخیل کے اور مقننہ کی ایسی تشکیل کے خلاف کی ہے جس سے ملک کی حکومت ایسے ہاتھوں میں بتدریج منتقل ہو جانے کا اندیشہ تھا جو ملک اور مالک کے بہی خواہ نہیں ہیں۔

۹۔ مسلمانان حیدرآباد کی یہ قطعی رائے ہے کہ ملک کے نظم و نسق میں بہت کچھ اصلاح و تبدیلی کی ضرورت ہے اور اس کے لئے ضروری ہے

کہ ارکان باب حکومت کا تقرر صرف پانچ سال کی مدت کے لئے
ہوا کرے۔

۱۰۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین تمام مسلمانان حیدرآباد سے درخواست
کرتی ہے کہ وہ حتی الامکان اپنی ضروریات زندگی میں ایسی اشیاء
کا استعمال کریں جو مسلم کاریگروں کی ہاتھ کی تیار کردہ یا مسلم تاجروں کی
فروخت کردہ ہوں تاکہ مسلمانوں کو صنعت و حرفت و تجارت کی تشویق
ہو جس میں وہ بالکل پیچھے ہیں۔ اور تمام ارکان صدر مجلس و ارکان
مجالس اضلاع سے قوی امید رکھتی ہے کہ وہ صرف ایسا کپڑا استعمال
کریں گے جو مسلم کاریگروں کا تیار کردہ ہو۔"

۱۱۔ مسلمانان حیدرآباد کا یہ اجتماع صدر مجلس اتحاد المسلمین کو ہدایت
کرتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک قانونی بیت المال کے نفاذ کے لئے جد
و جہد کرے۔ اس بیت المال کے تحت تمام اسلامی اوقاف کا انتظام
بھی ہوگا۔ اور مسلمانوں سے زکواۃ وصول کرنے کا کام بھی اسی کا ہوگا۔
اور اس قانون کے تحت قایم شدہ جماعت کے ذریعہ سے یہ رقم اغراض
وقف کے لئے اور حسب احکام شرع شریف صرف کی جائیگی۔

۱۲۔ مسلمانان دکن کا یہ عظیم الشان جلسہ حکومت برطانیہ و حکومت
ہند پر یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہے کہ مملکت حیدرآباد تاریخی حیثیت سے
و بلحاظ ان معاہدات کے جو دولتین کے مابین قایم ہیں۔ ایک ایسی مستقل
سیاسی وحدت ہے جس کی آئینی حیثیت دستور ہند میں کسی تبدیلی

کی وجہ متاثر نہیں ہوسکتی اور وہ اپنی اس حیثیت کو ہمیشہ برقرار رکھنا چاہتی ہے
(Para mountcy) کے جدید نظریہ کی بنا پر جس کو حیدرآباد نے
کبھی تسلیم نہیں کیا حیدرآباد کے نظم و نسق میں حکومت ہند کی مداخلت اور
اس کے وزرا و عہدہ داروں کے عزل و نصب میں مشاورت و منظوری
کی ضرورت علاوہ ایک غیر آئینی عمل ہونے کے نظم و نسق میں کسی خوبی کے
پیدا کرنے کی بجائے اس کو ناقابل برداشت حد تک نقصان
پہنچاتی ہے پس اس کی ضرورت ہے کہ اس طریقہ کو
معاہدات کی کسوٹی پر جانچا جائے۔ حکومت برطانیہ و حکومت ہند
کی جانب سے وزیر ہند اور وائسرائے کے ان حالیہ بیانات جس میں
ہندوستان میں (Statute of west minister) کی تعریف کے بموجب
قریب تر زمانہ میں (Dominions status) عطا کرنے کا یقین
دلایا گیا ہے۔ ایک ایسا لازمی موقع بہم پہنچا دیا ہے کہ حیدرآباد اس کو
واضح کر دے کہ ملک معظم کی حکومت وہ ساری ذمہ داریاں جن کو حیدرآباد
کی طرف سے اپنی اوپر لی تھیں یا اس کے تفویض کی گئی تھیں حیدرآباد کو
واپس کر دے۔ حیدرآباد کسی حالت میں اس کیلئے آمادہ نہ ہوگا کہ تاج
ان ذمہ داریوں کو اس جدید دستور کے حوالہ کر دے جو مقبوضاتی
مرتبہ کا حامل ہوگا۔

۱۳۔ اس جلسہ کی قطعی رائے ہے کہ ایوان روسا میں حیدرآباد
کی شرکت اس کے سیاسی مرتبہ و وقار کے کھو دینے پر منتج ہوگی اس لئے

یہ جلسہ حکومت سے متوقع ہے کہ وہ کسی ایسی تجویز پر غور کرنے سے قطعی انکار فرمائیگی

۱۴۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین کا یہ عظیم الشان جلسہ اسے شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی روزانہ زندگی میں نہایت کفایت شعاری کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت ہے نیز انھیں چاہئیے کہ تمام تقریبات مذہبی وخانگی یعنی عید وغیرہ اور چہلہ چھٹی بسم اللہ شادی وغیرہ کو نہایت سادگی کے ساتھ اور کم سے کم مصارف میں انجام دیں ساتھ ہی صدر مجلس اتحاد المسلمین کا یہ جلسہ شادیوں میں مہر اور جہیز کی حیثیت سے زیادہ مقدار کو سخت ناپسند کرتا ہے اور اس سلسلہ میں خاص طور پر اپنی مسلم بہنوں کو متوجہ کرتا ہے کہ تاوقتیکہ وہ اس جانب عملی قدم نہ اٹھائیں یہ مقصد پورا نہ ہوگا۔

۱۵۔ مسلمانان دکن کا یہ عظیم الشان جلسہ سرکار عالی کی توجہ اس جانب مبذول کرداتا ہے کہ قانون انتقال اراضی میں عروب وافاغنہ کو غیر محفوظ قوم قرار دیکر اور دوسرے معاشی قیود عائد کرکے مسلم جماعت کے ایک حصہ کو معاشی پستی میں ڈالا گیا ہے اور یہ عمل لائق اصلاح ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ جلد از جلد قانون مذکور کی ایسی ترمیم فرمائی جائے جس میں عروب وافاغنہ محفوظ قوم قرار دی جائیں۔ اور قیود برخواست ہوں۔

۱۶۔ مسلمانان دکن کا یہ عظیم الشان جلسہ سرکار عالی کی توجہ پولیس کے نظم ونسق کی اس ابتر حالت کی جانب منعطف کرانا ضروری تصور کرتا ہے

جس کی وجہ ملک میں گذشتہ چند سال سے بدامنی و فرقہ وارانہ فسادات اور جرائم کی کثرت ہو رہی ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت اس سررشتہ کے نظم و نسق کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو اور لائق اور مخلص افراد کے ذمہ اس سررشتہ کی تنظیم سپرد کر کے ملک کی طمانیت کا باعث ہو۔

۱۷۔ بافندگان کے پیشے کی کساد بازاری بلکہ مسدودی کی وجہ سے ملک کا ایک قابل لحاظ طبقہ سخت مصیبت و افلاس و بیکاری میں مبتلا ہو گیا ہے جس کی امداد حکومت کا فرض اور اوس کی روایات رعایا پروری کے عین مطابق ہو گا۔ اس لئے یہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ۔

۱۔ اس طبقہ کی سرکاری طور پر باضابطہ معاشی تحقیقات کروائی جائے،

۲۔ Alliedindustry کے رواج کی کوشش کے طور پر اُن کے مراکز پر معلمین صنعتی کے ذریعہ سیکنڈری اسکیم کے تقررات میں عمل کیا جائے۔

۳۔ ادنیٰ ملازمتوں میں مثلاً پولیس آبکاری وغیرہ اس طبقہ کی ترجیح د بھرتی کے احکام نافذ کئے جائیں۔

۴۔ افتادہ اراضیات کی الاٹمنٹ میں اُن کو بطور خاص ترجیح دی جائے۔"

۱۸۔ چونکہ دیہات میں اکثر مسلمان نماز روزہ وغیرہ ضروری

ارکان اسلامی سے ناواقف ہیں بلکہ اُن میں اپنے مسلمان ہونے کا بھی احساس نہیں ہے اس لئے یہ جلسہ محکمۂ صدارت العالیہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اہل خدمات شرعیہ کو اُن کے فرائض کا پابند کر کے اُن کی اصلاح کے فرائض کو کو انجام دلائے اور اُن پر ایسی نگرانی کرے کہ وہ اپنے فرائض میں تساہل نہ کریں۔

۱۹۔ "صدر مجلس اتحاد المسلمین کا یہ عظیم الشان جلسہ حکومت کی توجہ ان تمام مقررہ ٹیکسوں کی طرف مبذول کراتا ہے جو عام طور پر تجارتی مال پر منجانب تجار گاؤ رکھشن۔ دھرمادا ؤ۔ دہرم کانٹا و دیولا واکے نام سے بلا تخفیص مذہب وملت ہر زراعتی پیداوار کے بازار میں لانے والے سے لئے جاتے ہیں اور اس طرح لاکھوں روپیوں کی آمدنی ہر جگہ صرف ہندو اپنی مذہبی وسیاسی اغراض پر خرچ کرتے ہیں۔ اس لئے یہ جلسہ حکومت سے متوقع ہے کہ وہ اس قسم کے ٹیکسوں کے وصول کرنے کو روکدے یا دوسری صورت میں مقامی مسلم اداروں میں اس طور سے جمع کردہ رقم کو نصف نصف تقسیم کرنے کا انتظام کرائے نیز متوقع ہے کہ جس قدر رقم فی الوقت جمع ہو وہ بھی ہندو اور مسلم اداروں میں نصف نصف تقیم کرنے کا انتظام فرمایا جائیگا۔

۲۰۔ مسلمانوں کا یہ عظیم الشان جلسہ محکمہ تعلیمات کی اس پالیسی کو کہ تاریخ اسلام کو بحیثیت ایک مضمون اختیاری نصاب تعلیم میں نہ رکھا جائے دینیات کو غیر امتحانی پرچہ قرار دیا جائے۔ صرف اسلامی تعطیلات کو تخفیف

کیا جائے۔ مخلوط تعلیم کو ابتدائی مدارس اور اعلیٰ تعلیم میں رائج کیا جائے نصابی کتب کی اس طور پر ترتیب دیجائے کہ مسلم طلباء غیر شعوری طور پر غیر مسلم تمدن کی طرف راغب ہو جائیں۔ اسلامی ثقافت و شعور اسلامی کے لئے تباہ کن سمجھتا ہے اور اس پالیسی پر اپنی اس شدید ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے اور مجلس اتحاد المسلمین سے درخواست کرتا ہے کہ ان اقدامات کے فوری انسداد کے لئے موثر تدابیر اختیار کرے۔

۲۱۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین کے علم میں ممالک محروسہ سرکار عالی کے اکثر مدارس کے حالات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدارس فرقہ وارانہ منافرت اور اعلیٰحضرت بندگانعالی کی ذات اور ان کی حکومت کے خلاف بغاوت کے سرچشمہ بنتے چلے جا رہے ہیں۔ سررشتہ تعلیمات کے کمزور نظم ونسق نے ان حالات کی اطلاع کے باوجود ایسے مدرسین اور متعلمین کے خلاف کسی قسم کی کارروائی سے چشم پوشی کی جو اس کے بانی تھے نتیجتاً یہ جذبات اب مدرسین میں بلا خوف تعزیر اپنا کام کر رہے ہیں یہ جلسہ حکومت سرکار عالی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان حقیقی وجوہ وعلل پر غور کرے جو تعلیم گاہوں میں اس زہریلی فضا کے پیدا کرنے کے باعث ہوئے ہیں۔ نیز ان تمام ایسے واقعات کی تحقیقات فرمائے جو آئے دن پیش آرہے ہیں۔ جن مدرسین کا ایسے واقعات سے تعلق پایا جائے انکو نہ صرف انتظامی سزا دیجائے بلکہ اون کے خلاف عدالتی کارروائی کیجائے تاکہ ہمارے مدرسین جو آئندہ قوم کی تعمیر کے ذمہ دار ہیں اس خرابی سے پاک ہو جائیں

اور محکمہ تعلیمات کے نظم ونسق کو قوی بنایا جائے تاکہ ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو۔

۲۲ - ہمارے ملک کے بعض سررشتہ جات کم وبیش بارہ سال سے یورپین عہدہ داروں کے تحت کام کر رہے ہیں ان عہدہ داروں کو سرکار عالی میں اسی درجہ کے ہندوستانی عہدہ داروں کے عام اسکیل سے تقریباً دوچند تنخواہیں دی جاتی ہیں اور بیش قرار الاونسز اس کے علاوہ ہیں۔ ان عہدہ داروں کی وجہ سے تمام سرکاری دفاتری کار دبار زیادہ تر انگریزی زبان میں ہونے لگے ہیں اور ترجمہ کا ایک بڑا عملہ مقرر کرنا پڑا ہے ظاہر ہے کہ اس سے ملک کے خزانہ پر جو بار عائد ہوتا ہے وہ کسی طرح لایق درگذر نہیں ہے - یہی عہدہ دار سرکار عظمت مدار کی ملازمت میں معمولی مقررہ گریڈ سے زائد نہ تو تنخواہ پاتے ہیں اور نہ علاوہ تنخواہ کے کوئی الاونس اُن کو دیے جاتے ہیں۔ ان غیر ضروری مراعات کا کوئی فائدہ ملک کو نہیں ہوتا۔ یہ جلسہ تقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ جو سررشتہ جات ان عہدہ داروں کے تحت ہیں ان کے نظم ونسق وکارکردگی میں کوئی اصلاح یا ترقی نہیں ہوئی نیز تعلیمی ترقی نے ملک میں ایسے قابل اصحاب پیدا کر دیے ہیں جو اس ذمہ داری کو آسانی کے ساتھ برداشت کر سکتے ہیں اس لئے یہ جلسہ اعلیحضرت بندگانعالی متعالی سے دست بستہ عرض کرتا ہے کہ موجودہ انگریز عہدہ داروں کی مدت ملازمت ختم ہونیکے بعد ان خدمات پر ملک کے قابل فرزندوں کا تقرر فرمایا جائے تاکہ حکومت کا خزانہ غیر معمولی

بار سے محفوظ رہے اور قابل فرزندان ملک کی دل شکنی نہ ہو۔

۲۴ - صدارت العالیہ سلطنت آصفیہ کا وہ قدیم سررشتہ ہے جس سے تمام مذاہب کی حفاظت و نگرانی کا کام متعلق تھا اور ہے اس سررشتہ کے کاروبار کے ایک جزو کو (جو جملہ مذاہب سے متعلق و مشترک تھا) محکمۂ امور مذہبی کا نام دیکر (تحت صدر الصدور) قایم کیا گیا اور خالص اسلامی امور بدستور صدارت العالیہ سے مختص و متعین رکھے گئے۔

سررشتہ صدارت العالیہ ابتدائے قیام سلطنت آصفیہ سے اپنی یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ اس کو ذات شاہانہ سے راست وابستہ رہنے کا شرف حاصل رہا ہے اس عہد عثمانی میں جہاں ملک میں ہر جہتی ترقی و اصلاحات ہو رہے ہیں وہاں ایسے تاریخی اور اصلاحی محکمہ کا جمود کی حالت میں رہنا عام دلشکنی کا باعث ہے لہذا یہ جلسہ سرکار عالی سے مطالبہ کرتا ہے کہ صدر الصدور کا بعجلت ممکنہ تقرر فرمایا جائے اور محکمہ صدارت العالیہ کو ایک جداگانہ مستقل نظامت کی حیثیت دی جائے"

۲۴ - مجلس اتحاد المسلمین کا یہ اجتماع حکومت سرکار عالی سے اس امر کا مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کی جن معاشوں کو لاوارث قرار دیکر شریک خالصہ کر لیا گیا ہے وہ مسلمانوں کے نظام اجتماعی کے شعبہ مالیات (بیت المال) کے سپرد کیا جائے۔

وراثت میں سرکار عالی نے یہ اصول اختیار کیا ہے کہ ہر قوم کی وراثت کا تصفیہ اُس کے مذہبی احکام وراثت کے مطابق کیا جائے

اسی بناء پر تبنیت وغیرہ کے اصول پر معاش کی بحالی منحصر رکھی جائے۔

حق و انصاف کی اس صحیح طریقہ کار کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے احکام وراثت کی مطابقت میں ان لاوارث معاشین اور اموال انکے بیت المال کے حوالہ کیجائیں۔

۲۵ - صدر مجلس اتحاد المسلمین کا یہ جلسہ عام اس امر کو شدت سے محسوس کرتا ہے کہ گذشتہ کانگریسی حکومت مملکت سرکار عالی کے اہم صوبہ برار (جو کہ امانتاً وانتظاماً سرکار برطانیہ کے سپرد ہے) کے مسلمانوں کے جائز حقوق کی حفاظت سے قطعاً قاصر رہی ہے جس کی وجہ مسلمانوں کو بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور گورنر کے اختیارات خصوصی کے باوجود مسلمانوں کی عزت جان ومال اور دینی وملی حقوق محفوظ نہ رہ سکے

یہ جلسہ پیش نظر اس کے کہ برار ممالک محروسہ سرکار عالی کا ایک اہم جزو ہے و نیز پیش نظر اس کے کہ گورنر کا تقرر بندگانعالی خسرو دکن کے ایماء اجازت سے عمل میں آتا ہے۔ اعلیحضرت بندگانعالی کی توجہ گرامی اس طرف منعطف کرانے کی سعادت حاصل کرتا ہے تاکہ مسلمانان برار اپنی مصائب سے نجات پاسکیں۔